بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم　　وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کیساتھ

ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

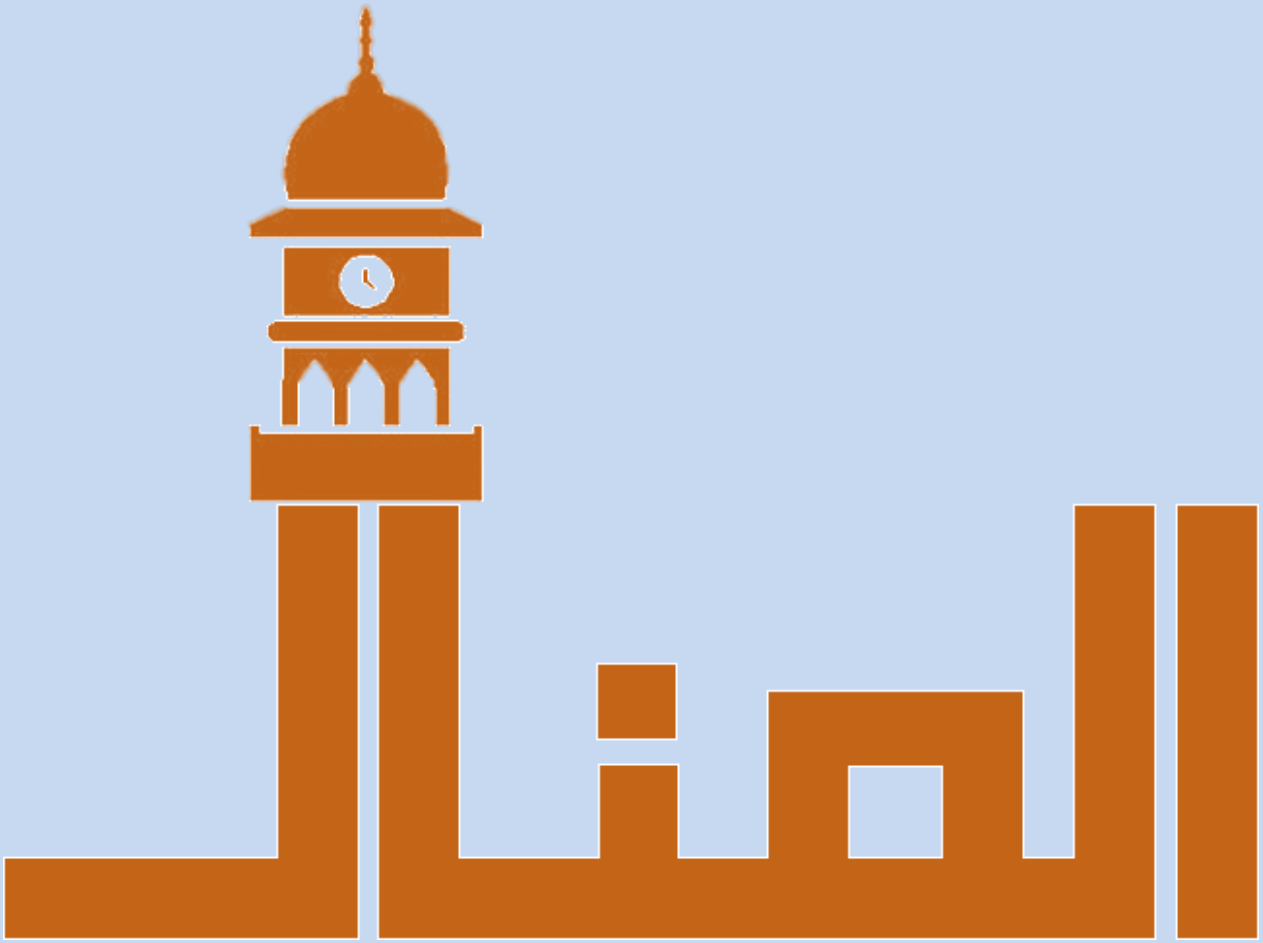

اپریل ۲۰۱۲

نگران۔ پروفیسر چوہدری حمید احمد۔ صدر تعلیم لاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسیئیشن۔ جرمنی

ایڈیٹر۔ چوہدری انیس احمد۔ سیکرٹری تعلیم لاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسیئیشن۔ جرمنی

ترتیب وڈیزائن۔ محمد ظہیر احمد۔Software Engineer

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	ارشاد باری تعالیٰ و حدیث نبوی ﷺ	۱
۲	حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کا خط	۲
۳	شکریہ احباب۔ پروفیسر حمید احمد چوہدری	۳
۴	اداریہ۔ چوہدری انیس احمد	۵
۵	مولانا فضل الٰہی انوری کی تصنیف درویشان احمدیت پر تبصرہ۔ پروفیسر حمید احمد چوہدری	۸
۶	پروفیسر محمد ابراہیم ناصر۔ محمد دائود طاہر (اولڈ سٹوڈنٹ)	۱۶
۷	قومیانے کے بعد کالج کی حالت زار۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف خاں	۲۰
۸	میرے اساتذہ کرام سید ہدایت اللہ ہادی	۲۳
۹	خط ناظر صاحب تعلیم بنام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ	۳۳
۱۰	مہلت تمام شد (نظم) راجہ محمد یوسف	۳۴
۱۱	پروفیسر صوفی بشارت الرحمان مرحوم (نظم) طاہر عارف (اولڈ سٹوڈنٹ)	۳۶
۱۲	سکالرشپ فنڈ کے معاونین خاص	۳۷
۱۳	چند یادگاری تصاویر	۳۸
	انگریزی اور جرمن سیکشن	

ارشاد باری تعالیٰ و حدیث نبوی ﷺ

سورۃ طٰہٰ (۲۰)

فَتَعَٰلَى ٱللَّهُ ٱلْمَلِكُ ٱلْحَقُّ ۗ وَلَا تَعْجَلْ بِٱلْقُرْءَانِ مِن قَبْلِ أَن يُقْضَىٰٓ إِلَيْكَ وَحْيُهُۥ ۖ وَقُل رَّبِّ زِدْنِى عِلْمًا ﴿١١٥﴾

ترجمہ

پس اللہ سچا بادشاہ بہت رفیع الشان ہے۔ پس قرآن (کے پڑھنے) میں جلدی نہ کیا کر پیشتر اس کے کہ اُس کی وحی تجھ پر مکمل کر دی جائے اور یہ کہا کر کہ اے میرے ربّ! مجھے علم میں بڑھا دے۔

سب سے زیادہ مظلوم

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ کی راہ میں جتنا مجھے ڈرانے کی کوشش کی گئی کسی اَور کے لئے ایسی کوشش نہیں ہوئی اور راہ مولیٰ میں جتنی اذیت مجھے دی گئی اتنی کسی اَور کو نہیں دی گئی“۔

(جامع ترمذی کتاب القیامۃ حدیث نمبر 2396)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کا خط

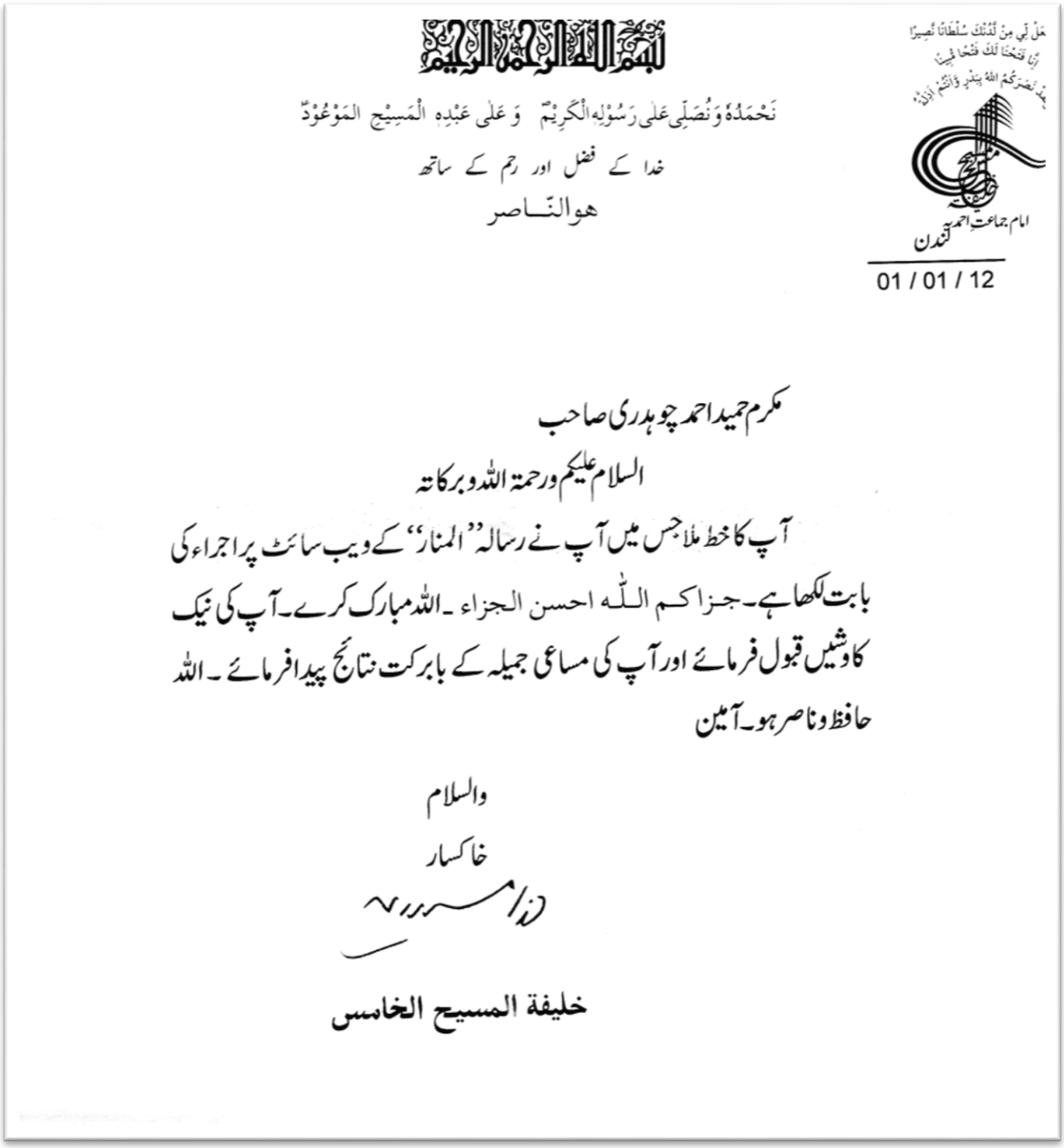

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّاصر

امام جماعت احمدیہ لندن

01 / 01 / 12

مکرم حمید احمد چوہدری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا جس میں آپ نے رسالہ ''المنار'' کے ویب سائٹ پر اجراء کی بابت لکھا ہے۔ جزاکم اللّٰہ احسن الجزاء ۔ اللہ مبارک کرے۔ آپ کی نیک کاوشیں قبول فرمائے اور آپ کی مساعی جمیلہ کے بابرکت نتائج پیدا فرمائے ۔ اللہ حافظ و ناصر ہو۔ آمین

والسلام

خاکسار

خلیفۃ المسیح الخامس

بسم اللہ الر حمٰن الرحیم

شکریہ احباب

تعلیم لاسلام کا لج اولڈ سٹوڈنٹس ایسو سیئیشن جرمنی کی طرف سے المنار کا دوسرا شمارہ پیش خدمت ہے۔اس میں پہلے شمارہ کی طرح اردو۔انگریزی اور جرمن تینوں زبانوں میں مضامین ہیں۔ہماری یہ کوشش کہاں تک آپکی توقعات پر پوری اترتی ہے اس کا فیصلہ آپ پر ہے۔ مگر یہ فیصلہ کرتے وقت یہ سوال خود اپنے سے بھی پوچھیں کہ آپ نے رسالہ کی تیاری میں کتنا تعاون کیا کیونکہ آپ کی مدد کے بغیر آپکی توقعات پوری کرنا ممکن نہیں۔ لہذا ہماری مئودبانہ گذرش ہے کہ اگر آپ کچھ لکھ نہیں سکتے تو کم از کم رسالہ کی بہتری کے لئے اپنی رائے اور تجاویز سے ہماری رہنمائی کرتے رہا کریں۔اس کے ساتھ ساتھ ہم ان دوستوں کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جو ہماری سر پرستی کر تے ہوئے کچھ نہ کچھ لکھ کر ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ان میں مخدوم و محترم بشیر احمد خان رفیق۔سابق امام لنڈن۔مکرم محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف خان۔مکرم محترم محمد دائود طاہر۔مکرم محترم سید ہدایت اللہ ہادی اور عزیزم مکرم ڈاکٹر عمیر احمد باجوہ خاص طور پر ہمارے شکریہ اور دعائوں کے مستحق ہیں۔مکرم محترم راجہ غالب احمد صاحب اور مکرم برگیڈیر لطیف احمد صاحب نے بھی لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔امید ہے اگلے شمارہ میں انشاء اللہ ان کی لکھی ہوئی یادیں بھی شامل ہوں گی۔

رسالہ کی ترتیب و تدوین میں عزیزم مکرم محمد ظہیر احمد صاحبsoftware engineer نے مکرم چوہدری انیس احمد صا حب کی رہنمائی میں بے حد محنت کی ہے اس لئے وہ ہمارے خصو صی شکریہ اور دعا ئوں کے مستحق ہیں۔

مورخہ ۲۴ ستمبر ۲۰۱۱ کو جب حضر ت امیر ا لمو منین خلیفۃ المسیح الخا مس ایدہ اللہ تعا لی بنصرہ العزیز ٹی آئی کا لج اولڈ سٹودنٹس ایسو سی ایشن جرمنی کی درخواست کو شرف قبو لیت فرماتے ہوئے ہمارے سالانہ get together میں تشریف لائے تو علاوہ اور امور کے یہ بھی ارشاد فرما یا کہ اگرچہ آپ اس بات پر شکریہ کے مستحق ہیں کہ آپ پچھلے سالوں میں اپنا دس وظائف کا وعدہ پورا کر رہے ہیں مگر پا کستان کے موجودہ حا لات کے مد نظر ضرورت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ الحمد للہ کہ دوستوں کے فوری تعاون سے

حضور کے ارشاد کے چند ہی دن کے اندر اندر یہ رقم دوگنی کر کے نظارت تعلیم کو ارسال کر دی گئی اور امید ہے امسال یہ رقم تین گنا کر دی جائے گی۔

ہماری خوش قسمتی ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے جرمنی کی ایسو سی ایشن کو pioneer کے لفظ سے ایک اعزاز بخشا ہے۔کوشش کریں آپ کا یہ اعزاز بر قرار رہے۔

خاکسار حمید احمد چوہدری
صدر ایسو سی ایشن

اداریہ

مصنفہ و مرتبہ
سیکٹری ٹی آئی کالج ایسوسی ایشن
انیس احمد چودھری

جرمنی سے المنار کا دوسرا شمارہ خدا کے فضل سے ٹی آئی کالج کے اولڈ سٹوڈنٹس کے لیے شائع کیا جارہا ہے۔ جرمنی میں ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن شروع ہوئی جس کو خدا تعالی کے فضل سے کافی پزیرائی ملی۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ حضرت خلیفتہ المسیح الخامس ایسوسی ایشن کی سالانہ تقریب میں دو دفعہ شامل ہو چکے ہیں۔ ہماری ایسوسی ایشن کی تقلید میں کنیڈا اور انگلینڈ میں بھی ایسوسی ایشن قائم ہو چکی ہیں۔ امریکہ بھی بنانے کی کوشش میں ہے۔ جرمنی کو یہ بھی اعزاز اور فخر حاصل ہے کہ ہمارے ممبروں نے پاکستان میں غریب لائق طلباء کے لیے فنڈ قائم کیا ہے۔ جس میں ہر سال دس طلباء کو ایک سال کا وظیفہ دیا جاتا ہے ۔ جس کی ایک سال کی ایک قسط ربوہ نظارت تعلیم کو بھجوائی جا چکی ہے جس کا ذکر حضور نے اپنی تقریر میں بھی کیا۔ حضور اقدس نے پاکستان میں مہنگائی کی وجہ سے فی طالبعلم رقم بڑھانے کی توجہ دلائی ہے خدا کے فضل سے یہ رقم ہمارے ممبروں نے وعدہ کے ساتھ اکثریت نے ادائیگی بھی کر دی ہے اب یہ رقم انشاءاللہ تین گنہ کر دی جائے گئی۔ حضور اقدس نے اپنی تقریر میں ممبر شپ بڑھانے کا ارشاد فرمایا تھا مگر افسوس کے ساتھ اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ رسالہ المنار کی اشاعت میں مضمون لکھنے کے لیے بہت سے دوستوں کو کہا گیا مگر کسی کی طرف سے کوئی رسپونس نہیں ملا اس طرح ممبر شپ بڑھانے کی طرف توجہ مبذول کروانے کے لیے خاکسار اور مکرم پروفیسر حمید احمد صاحب نے بہت کوشش کی مگر دلچسپی بلکل نظر نہیں آئی۔ شاید لوگ مصروف بہت ہیں یا ٹی آئی کالج کی اہمیت کو بھول چکے ہیں جس کی یاد کو ہم ہمیشہ زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ حضور اقدس نے تو یہ بھی فرمایا تھا کہ اپنے بچوں کو بھی ساتھ شامل کریں مگر افسوس کے لوگ جو خود طالبعلم رہ چکے ہیں ممبر بننے سے گریزاں ہیں۔

ایک بات بتاتا چلوں کہ طلباء کے فنڈ میں ہمارے ایسے دوستوں نے بھی حصہ دیا ہے جو کہ طالبعلم بھی نہیں ہیں میں یہ بھی ذکر کرتا چلوں کہ ہماری ٹی آئی کالج کی ویب سائٹ کو پروفیشنل طریق پر بنانے کے لیے مکرم محمّد ظہیر احمد صاحب جو کے ٹی آئی کالج کے سٹوڈنٹ نہیں ہیں بنا رہے ہیں اسی طرح المنار کی موجودہ اشاعت کو ویب سائٹ پر ڈالنے میں انھوں نے مدد کی ہے دوست ان کو اپنی دوعاؤں میں یاد رکھیں خدا تعالی ان کو جزا عطاء کرے حال ہی میں ان کی جوان سال بیوی کا بیٹے کی پیدائش کے بعد انتقال ہو گیا تھا اللہ تعالی اس نومولود کی ہمیشہ حفاظت فرماتا رہے آمین

حضور اقدس نے سالانہ ڈنر کے خطاب میں فرمایا تھا کہ "ممبران خود ایک جزبہ کے تحت اپنی درسگاہ کے تقدس کو سامنے رکھتے ہوے اور اس کا لحاظ رکھتے ہوے اپنا حق اداء کریں تو آپ احمدی بچوں کے لیے آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں"

ٹی آئی کالج کی اہمیت کو وہی لوگ جانتے ہیں جنھوں نے حضرت خلیفتہ المسیح الثالث جو کالج کے بانی پرنسپل تھے کے دور میں تعلیم حاصل کی خواہ کچھ ہی عرصہ کالج میں پڑھے ہوں حضرت خلیفتہ المسیح الثالث کے زمانہ میں کالج پاکستان کے نامور کالجوں میں شمار کیا جاتا تھا احمدی احباب کے علاوہ غیر از جماعت بھی اپنے لڑکوں کی اچھی تعلیم و تربیت کے لیے ٹی آئی کالج ربوہ میں پڑھانے کے لیے بھیجتے تھے جو بعد میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوے -مجھے یاد ہے کہ جب میں کالج میں داخل ہوا تھا تقریبا دو سال حضرت خلیفتہ المسیح الثالث کی سرپرستی میں کالج میں پڑھنے کا موقع ملا- حضور کا اپنی رہائش گاہ سے کالج کی طرف روانہ ہونا اور برآمدے میں داخل ہوتے ہی طالبعلموں کا ایک دوسرے کو بتانا کہ میاں صاحب آرہے ہیں اور لڑکوں کا کلاسوں کی طرف بھاگنا سر پر ٹوپی الٹی سیدھی پہن لینا گاون کا ایک بازو اندر اور ایک بازو باہر عجیب قسم کے دلفریب نظارے دیکھنے کو ملتے تھے میری مراد حضور کا روعب اور شخصیت ایسی تھی کہ کوئی طالبعلم انکا سامنا نہیں کر سکتا تھا اگرچہ یہ اداریہ لمبا ہو جاے گا لیکن حضور کی شخصیت اور قابلیت کا میرے ساتھ پیش آنے کا واقع جس میں شفقت بھی ہے اور روعب بھی نظر آتا ہے بتانا ضروری سمجھتا ہوں-

جب میں کالج میں داخل ہوا تو کالج یونین کے انتخابات ہو رہے تھے ہم بھی ایک پارٹی کے ساتھ ہو گئے سارا دن کالج ٹک شاپ میں گذارتے رہے سکول سے نکلنے کے بعد اپنے آپ کو آزاد محسوس کرتے ہوے اپنے ترنگ میں ادھر ادھر گھومتے رہے اور پیریڈوں سے غیر حاضر ہوتے رہے کچھ عرصہ کے بعد نوٹس بورڈ پر ایک لسٹ آویزاں دیکھی جس پر ان طالبعلموں کا نام تھا جن کو پیریڈوں سے غیر حاضر رہنے پر جرمانے ہوئے تھے لسٹ میں اپنا نام بھی درج تھا کل جرمانہ غالبا ۱۲ روپے تھا جو میرے لیے ایک انسپیکٹر تحریک جدید کے بیٹے ہونے کے ناطے ادا کرنا بہت مشکل تھا والد صاحب کی تنخواہ ساٹھ روپے تھی خاکسار بہت فکر مند ہوا -کالج کے دفتر میں جنید ہاشمی صاحب کے پاس گیا کہ اتنا جرمانہ تو میں ادا نہ کر سکوں گا انھوں نے مشورہ دیا کہ حضرت میاں صاحب کو درخواست لکھ دو کے غریب طالبعلم ہونے کی وجہ سے جرمانہ ادا کرنا مشکل ہے آیندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا امید ہے آدھا جرمانہ معاف ہو جائے گا لہٰذا ان کے مشورہ سے خاکسار اگلے روز چھٹی ہونے کے وجہ سے حضور کی رہائش گاہ پر صبح کے وقت حاضر ہو گیا حضرت میاں صاحب برآمدے میں اخبار پڑھ رہے تھے اندر آنے کی اجازت چاہی حضرت میاں صاحب نے اندر بلا لیا درخواست پڑھ کر ازراہے شفقت آدھا جرمانہ معاف کر دیا اب خاکسار کے لیے بقیہ رقم چھ روپے بھی دینے مشکل تھے لہٰذا اپنی دانست میں چالاکی اور ہوشیاری کا سہارا لیتے ہوے ایک نئ درخواست لکھ دی کہ خاکسار کو چھ روپے جرمانہ ہوا ہے اور معافی کا درخواست گزار ہوا دو ہفتہ کا وقفہ ڈال کر پرنسپل دفتر میں حاضری کی اجازت چاہی میاں صاحب جو اپنے کام میں مصروف تھے نظریں نیچے تھیں خاکسار نے May I come in Sir کہا Yes فرمایا میری طرف نہیں دیکھا اپنی درخواست میز کے اُوپر رکھ کر الٹے پاؤں باہر نکلنے لگا تو پیچھے سے ایک گرجدار آواز نے مجھے چونکا دیا "واپس آو مجھے دھوکا دے رہے ہو تم میرے گھر پر آئے تھے آدھا جرمانہ معاف کروا چکے ہو" درخواست میری طرف اچھال دی بس اب کیا تھا دل کرتا تھا کہ زمین پھٹ جاے اور میں اس کے اندر سمو جاؤں اللہ اللہ حضور کی یاداشت اور فراست پر قربان جاؤں-

اس واقع کے تقریباً چار سال بعد حضور کراچی تشریف لائے خاکسار اس وقت نیوی میں ملازم تھا نماز جمعہ کے بعد حضور سے لائن میں لگ کر مصافحہ کیا تو میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تمہیں یاد ہے کہ تم کو جرمانہ ہوا تھا اگلی بات حضور نے نہیں کی صرف مسکرا دیے خاکسار بغلگیر ہو گیا اللہ تعالی حضور پر ہزاروں ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے

☆☆☆

درویشان احمدیت

مصنفہ و مرتبہ
مولانا فضل الہیٰ انوری
(تعارف : پروفیسر حمید احمد چوہدری)

مکرم ایڈیشنل وکیل التصنیف مقیم لندن کی منظوری سے مکرم و محترم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب کی تصنیف ''درویشان احمدیت'' کی اشاعت کا سلسلہ خدا کے فضل سے پچھلے کئی سالوں سے کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بھی مولانا صاحب کی اس کاوش پر خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔اس کے حصہ اول۔دوم۔سوم اور پنجم گزشتہ سالوں میں شائع ہو کر مقبولیت کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔اب حال ہی میں اس سلسلہ کا حصہ چہارم چھپ کر آیا ہے جو پہلوں کی طرح نہ صرف ظاہری طور پر دیدہ زیب ہے بلکہ اس میں شامل واقعات بھی نہایت ہی ایمان افروز ہیں اور اس قابل ہیں کہ نہ صرف والدین پڑھ کر روحانی لطف اٹھائیں بلکہ اپنے بچوں کو بھی جو اردو نہ پڑھ سکتے ہوں،سنا کر ان کے خدا کی ہستی پر ایمان کو پختہ کریں۔مکرم مولانا صاحب جن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ تعلیم الا سلام کالج کے قیام پر اس میں داخل ہونے والے سب سے پہلے طالب علم تھے اور انہیں رول نمبر One ملا تھا، پھر کالج سے B.Sc. کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو زندگی وقف کرنے کی توفیق بخشی ، عرصہ زائد از چالیس سال سے مختلف حیثیتوں میں جماعت کی خدمات کی توفیق پا رہے ہیں۔ وہ جرمنی۔ نائیجیریا اور گیمبیا میں مشنری انچارج اور نیشنل امیر بھی رہے۔جب پاکستان میں جماعت احمدیہ پر حکومتی سطح پر جرمنی میں آئینی اور قانونی سطح پر پابندیوں کا سلسلہ شروع ہوا اور افراد جماعت پر ہونے والے مظالم اپنی کمیت اور کیفیت میں حد برداشت سے بڑھنے لگے تو مکرم مولانا صاحب نے خود دعوت دے کر نوجوانوں کو جرمنی میں بلانا اور قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے انہیں یہاں settle کروانا شروع کیا۔اس اعتبار سے یہ کہنے میں مبالغہ نہیں ہو گا کہ جرمنی میں مہاجرین احمدیت کا پودا لگانے اور اس کی ابتدائی نشو نما کرنے میں مکرم مولانا فضل الہیٰ انوری صاحب کا ایک نا قابل فراموش کردار ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیاہے، مکرم مولانا صاحب کو اللہ تعالیٰ نے نصف صدی کے قریب مختلف ممالک میں اسلام احمدیت کی تبلیغ کی توفیق عطا فرمائی ہے۔انہوں نے اس عرصہ میں شہری اور دیہاتی جماعتوں کے ان گنت

دورے کئے اور تا ئید الٰہیہ کے بے شمار نشا نا ت دیکھے اور سنے جن میں سے بہتوں کا درویشان احمدیت کے مختلف حصوں میں ذکر ہے۔اس کے علاوہ مو لا نا محترم نے ایک طویل عرصہ قبل جو تائید الٰہیہ کے ان واقعات جمع کرنے کا کام شروع کیا تھا، تو یہ اللہ تعالیٰ کا ا حسان ہے کہ اس نے ان کے خلوص نیت کو قبول فرماتے ہوئے ان کی عمرمیں بھی برکت دی اور وہ اس قابل ہوئے کہ اپنی طویل محنت کو کتب کی شکل میں احباب کے سامنے لا سکیں۔

مغربی دنیا جہاں لوگ مذہب سے اس قدر دور ہو چکے ہیں کہ خود خدا کی ہستی کے وجود پر شک کر رہے ہیں ، اس میں رہتے ہوئے ضروری ہے کہ ہم اپنے بچوں کا زندہ خدا کا ثبوت دیں۔درویشان احمدیت میں درج شدہ واقعات ایک زندہ اوردعائیں سننے اور قبول کر نے والے خدا کا ناقابل تردید ثبوت مہیا کر تے ہیں اور اس قابل ہیں کہ انکو بار بار گھروں میں بیان کیا جائے۔درویشان احمدیت حصہ چہارم جس کا ایک نام نصرت ربانیہ بھی ہے ، میں مذکور جرمنی کے ایک نو جوان کا نہایت روح پرور واقعہ بطور نمونہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

مکرم ڈاکٹر اطہر زبیر صاحب آف جرمنی

ذیل میں اس سلسلے میں اب جرمنی میں رہنے والے ایک دوست ڈاکٹر اطہر زبیر صاحب کے بیان کردہ دو واقعات درج کئے جاتے ہیں ۔ ڈاکٹر اطہر زبیر صاحب جرمن جماعت کے وہ ہونہار فرزندہیں جنہوں نے جرمنی میں ہی ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے آپ کو سلسلہ کے لئے وقف کر دیا۔اِس وقت آپ جماعت کے ’’ہیومینٹی فرسٹ ‘‘کے نام سے جاری کردہ رفاہی ادارہ کی جرمن برانچ کے انچارج کے طور پر خدمات بجا لا رہے ہیں۔حال ہی میں آپ نے خاکسار کے سامنے الٰہی تصرف کے دو ایسے واقعات بیان کئے جو انہیں ’’ہیومینٹی فرسٹ ‘‘کے تحت مغربی افریقہ کے ایک پسماندہ ملک ریپبلک آف بنین کے دورہ کے دوران پیش آئے اور جن میں انہیں نصرت الٰہی کا چمکتاہوا ہاتھ کام کرتانظر آتا ہے۔ذیل میں یہ ہر دو واقعات آپ کی بتائی ہوئی تفاصیل کے مطابق بیان کیئے جا رہے ہیں۔

پہلا واقعہ

" لفافہ کے اندر پورے بارہ ہزار پانچ سو کا چیک تھا"

قرض کا ادائیگی کا غیبی سامان

آپ کے حق میں ظاہر ہونے والا نصرت الٰہی کا پہلا واقعہ اُس وقت کا ہے جب آپ "ہیومینٹی فرسٹ" کے تحت اپنے محبوب امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض کردہ ایک اعزازی خدمت کے سلسلے میں مغربی افریقہ جا رہے تھے۔آپ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اپریل یا مئی ۲۰۰۷ء کی بات ہے کہ خاکسار بعض دیگر دوستوں کے ہمراہ مغربی افریقہ کے ملک ریپبلک آف بنین جا رہا تھا۔اس سے قبل خاکسار نے یہاں ایک دوست کے ساتھ کچھ کاروباری سلسلہ شروع کیا تھا مگر اس دوست کو کار کا حادثہ پیش آ جانے کے باعث وہ کاروبار ختم کرنا پڑا جس کی وجہ سے خاکسار مبلغ بارہ ہزار یورو کا مقروض ہوگیا۔

اب جن دوستوں نے اس سلسلہ میں مجھے رقوم دی ہوئی تھیں،انہوں نے مجھے دو ہفتوں کا نوٹس دیا۔میرے لئے اس قرضہ کی یوں فوری ادائیگی ممکن نہ تھی۔اسی دوران مجھے حضرت اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ریپبلک آف بنین جانے کا وہ پیغام ملا جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔اب یہ کام تو بہر حال میں مؤخر نہ کر سکتا تھا۔چنانچہ میں نے بڑے الحاح سے دعا کی کہ اے اللہ! میں تیرے دین کی خاطر جا رہا ہوں ،تو میرا کام کر دے"

اب اس محسن و مہربان خدا نے آپ کی دعا قبول کرکے آپ کے لئے کس عجیب و غریب طریق سے اس قرضہ کی ادائیگی کی سبیل پیدا فرمادی،یہ اس کی قدرت کا ایک عظیم شاہکاراور اس کی رحمت کاایک چمکتا ہوانشان ہے۔اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

"میں ٹکٹ لے کر پیرس کے راستے ریپبلک آف بنین جانے کے لئے چارلس ڈیگال ائر پورٹ پر پہنچا۔وہاں پہنچ کر معلوم ہواکہ جہاز لیٹ ہے۔چنانچہ میں وہیں انتظار گاہ میں بیٹھ کر جہاز کی پرواز کا انتظار کرنے لگا۔ابھی میں وہاں بیٹھا ہی تھا کہ میں نے دیکھا کہ دو نوجوان جرمن زبان میں بڑی تیز تیز گفتگو کر رہے ہیں،جیسے انہیں کوئی بڑا سنجیدہ مسئلہ درپیش ہو اوران کا آپس میں اتفاق نہ ہو رہا ہو۔مجھے ان کا آپس میں یوں جھگڑنا اچھا نہ لگا۔چنانچہ میں نے ذرا قریب ہو کر ان سے جرمن زبان میں دریافت کیا کہ بھائی صاحب! کیا بات ہے ،مجھے بھی کچھ بتائیں،شاید میں آپ کے کچھ کام آ سکوں۔اس پراُن میں سے ایک جس کی گود میں لیپ ٹاپ پڑا تھا،میری طرف دیکھ کربڑی بے رخی سے بولا:آپ ہماری کیا مدد کریں گے،ہم چھ گھنٹوں سے کمپوٹر پرایک تکنیکی پیشکش Presentation تیار کررہے ہیں اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ رہے۔آج ہی ہم نے اس کا نتیجہ ایک کمپنی میں پیش کرنا ہے جس کے بعد ہماری مستقبل ملازمت کا فیصلہ ہو گا۔مزید کہنے لگا کہ آپ کو تو یہ بھی سمجھ نہ آئے

گی کہ یہ مسئلہ ہے کیا ‘‘

فرماتے ہیں، اسی دوران اُس نوجوان کو باتھ روم میں جانے کی حاجت محسوس ہوئی۔چنانچہ اس نے اپنا لیپ ٹاپ اسی بے پرواہی کے ساتھ میری گود میں پھینکا اوریہ کہکر کہ کوئی بات پوچھنی ہو تو میرے ساتھی سے پوچھ لینا ، اٹھ کرچلا گیا۔فرماتے ہیں:

’’میں نے لیپ ٹاپ پکڑ تو لیا مگراس کے اوپر بے ہنگم سے لکھے ہوئے اعداد و شمار کو میں واقعی نہ سمجھ سکا۔مجھے کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ کیا ہیں اور ان کا کیا مطلب ہے۔تاہم میں نے ان کو دیکھنا شروع کیا۔دیکھتے دیکھتے ایک جگہ مجھے یوں نظر آیا جیسے اعدادکی جمع تفریق میں کچھ سقم ہے۔لہٰذا میں نے ایک دو ہندسے مٹا کران کی جگہ وہ ہندسے لکھ دئے جو میری دانست میں درست ہونے چاہئیں تھے۔اب جب وہ نوجوان واپس آیا تو میں نے اسے کہا،دیکھو!میں نے یوں کر دیا ہے،تمہیں کیسے لگتا ہے۔اس نے جب کمپوٹر لے کر میری اس اصلاح کو دیکھا تو وہ اچھل پڑا اور بڑے جذباتی اندازمیں کہنے لگا:’آپ نے تو ہمارا سارا مسئلہ ہی حل کر دیاہے۔دراصل یہی چیز تھی جس کی ہمیں سمجھ نہیں آ رہی تھی۔میں یہی اعداد و شمار کئی دفعہ دیکھ چکا ہوں مگرمجھے وہ غلطی نظر نہیں آئی جو آپ کو نظر آ گئی ہے‘‘

فرماتے ہیں،اتنی دیر میں میری فلائٹ کا وقت ہوگیا۔چنانچہ جب میں اُن سے رخصت ہونے لگا تو وہ نوجوان جس کا نام Gerhard Müller تھا، مجھ سے پوچھنے لگا ،تم کہاں جا رہے ہو۔جب میں نے اسے بتایا کہ میں چند دنوں کے لئے ریپبلک آف بنین جا رہاہوں تو اس نے جلدی سے مجھے اپنا کارڈ دیا اور کہا کہ واپس آکر ہم سے ضرور ملنا۔آگے فرماتے ہیں:

’’جب میں ریپبلک آف بنین میں اپنا مفوضہ کام سرانجام دے کر واپس جرمنی پہنچا تو وہی قرضے کا معاملہ میرے سامنے تھا۔میں فرانکفورٹ میں اپنے بنک والوں کے پاس گیا کہ وہ مجھے بارہ ہزار کا قرضہ دے دیں۔مگر چونکہ میری کوئی ملازمت نہ تھی، بنک والوں نے مجھے قرضہ دینے سے انکار دیا۔اب میں نے سوچا کہ فرانکفورٹ تو آیا ہی ہوں،کیوں نے ا س نوجوان سے مل لوں جس نے پیرس میں مجھے اپنا کارڈ دیا تھا اور اسے کہوں کہ وہ مجھے چند ماہ کے لئے اپنے پاس ملازم رکھ لیں تاکہ میں اس بنیاد پر قرضہ لے کر اپنا قرض ادا کر دوں۔اس کا پتہ تو میرے پاس تھا ہی۔جب میں وہا ں پہنچا تو دیکھا کہ وہ اپنا سامان پیک کر رہے ہیں۔اِس پر میراان سے ملازمت کے لئے کچھ کہنا عبث نظر آیا۔مگر Gerhard Müllerنے مجھے دیکھتے ہی میرا یوں استقبال کیا جیسےوہ میرا انتظار کر رہا ہو۔کہنے لگا،اچھا ہوا آپ آ گئے ہیں۔ہمارے پاس آپ کا ایڈریس یا فون نمبر نہیں تھا ورنہ ہم خود آپ کو بلا لیتے۔اور پھر پیرس ائرپورٹ والی بات یاد دلاتے ہوئے کہنے لگا،یار ،تمہاری اُس دن کی اُس چھوٹی سی مدد نے ہمیں بہت فائدہ پہنچایا۔اُس کمپنی نے ہمیں کینیڈا میں پہلے سے اچھی ملازمت دے دی ہے اور ہم اب کینیڈا

جا رہے ہیں۔اور پھر اپنی جیب سے ایک لفافہ نکال کر مجھے کہنے لگا ،'اور یہ رہا تمہارا انعام'''
فرماتے ہیں،میں نے خیال کیا کہ اس میں پچاس ساٹھ یورو ہوں گے۔مگر جب باہر آکر میں نے اس لفافے کو کھولا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے اندر پورے بارہ ہزارپانچ سویورو کا چیک تھا۔میں سمجھا، یقیناً اس میں ان سے کچھ غلطی ہوئی ہے۔یہ لوگ سفر پر جارہے ہیں،انہیں تو خود ایک ایک پیسے کی ضرورت ہوگی۔چنانچہ میں واپس مسٹر Müller کے پاس گیا اوراسے کہا،جناب غالباً یہ چیک آپ نے غلطی سے ڈال دیاہے۔وہ کہنے لگا،ارے یار نہیں۔یہ رقم ہمارے بنک میں موجود تھی جس کی اب ہمیں ضرورت نہیں رہی۔پس یہ سب آپ کے لئے ہے۔پھر بھی میں نے تکلفاً کہا کہ میں اتنے بڑے انعام کا مستحق اپنے آپ کو نہیں سمجھتا مگر وہ میری ایک بھی سننے کے لئے تیار نہ تھے۔چنانچہ میں ان کاشکریہ ادا کرکے واپس آگیا۔
فرماتے ہیں،اب میں سوچنے لگا کہ میرے قرضہ کی رقم تو خدا نے مجھے بھجوا دی ہے مگر یہ پانچ سو یورو زائدکیسے ہیں۔جب گھر پہنچا تو مالک مکان کا خط آیا پڑا تھا کہ مکان کے کرایہ میں ۵۰۰ کی رقم کی ادائیگی باقی ہے،وہ آپ فوری طور پر اداکر دیں۔اس پر میرا دل اللہ تعالیٰ کے لئے شکرکے جذبات سے لبریز ہوگیاکہ اس نے نہ صرف میرے قرضہ کی رقم مجھے بھجوا دی بلکہ مکان کے کرایہ کا زائد خرچ بھی بھجوا دیاہے۔فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

دوسرا واقعہ

" خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے پہلے ہی سے سامان کر رکھا تھا"

ایک سفر کے دوران ملنے والی نصرت الٰہی

برادرم ڈاکٹر اطہر زبیر صاحب کادوسرا بیان کردہ واقعہ ان کے ایک دوسرے ریپبلک آف بنین کے دورے سے تعلق رکھتا ہے۔اس کی روئیداد بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:
" فروری ۲۰۰۸ء میں مجھے دوبارہ ریپبلک آف بنین جانے کا اتفاق ہوا۔اب کی بار میرے ساتھ دو اَور احمدی دوست اور ایک جرمن خاتون بھی تھی۔یہ خاتون جو میڈیکل کالج کی ایک طالبہ تھی، اگرچہ غیر مسلم تھی مگر اس نے جذبۂ خدمت کے ماتحت ہماری ٹیم کے ساتھ جانا پسند کیا۔وہاں ہمارا مختلف مقامات پرمیڈیکل کیمپ لگا کر کے ضرورت مندوں کو طبّی امداد پہنچانے کا پروگرام تھا۔چنانچہ ہم اپنے اس پروگرام کو عملی جامہ پہناتے ہوئے اور جگہ جگہ پر خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت کے نظارے دیکھتے ہوئے اپنا کام کرنے لگے۔ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ ہم جب ایک مقام پر میڈیکل کیمپ لگانے اور شام تک مریضوں کو دیکھنے کے بعد واپس لوٹ رہے تھے تو ایک چھوٹے سے گاؤں میں سے گزرتے ہوئے ہماری گاڑی خراب ہو گئی اور باوجود سارے جتن کرنے کے وہ نہ چلی اور بالکل ٹھہر گئی۔اُس وقت گھپ اندھیرا چھا چکا تھا۔گاؤں میں بھی ہمیں کہیں کوئی روشنی نظر نہ آرہی تھی"

فرماتے ہیں،اس پر ہمیں بہت فکر لاحق ہوئی کہ اگر رات یہاں آگئی تو سوئیں گے کہاں اور پھر ایسی جگہوں پر چوروں اور ڈاکوؤں کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں:

''اور کوئی صورت نہ پاکر میں نے اپنی چھوٹی سی ٹارچ لی اور دیکھنے لگا کہ یہاں آس پاس کوئی مکان ہو تو مکان والوں سے کسی مکینک کا پتہ کیا جائے۔جب میں ذرا آگے بڑھا تو ٹارچ کی روشنی میں مجھے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بیٹھا نظر آیا۔میں نے اس سے پوچھا،بابا۔کیا یہاں کوئی ورک شاپ ہے؟وہ کہنے لگا،یہی تو ورک شاپ ہے۔میں نےٹارچ گھما کر دیکھا تو واقعی اوپرایک چھپرسا نظر آیا جس کے نیچے وہ شخص بیٹھا تھا۔میں نے اس سے پوچھا ،کیا تم ہمیں اس ورک شاپ میں کام کرنے والے موٹرمکینک کا پتہ بتا سکتے ہو۔وہ کہنے لگا،میں ہی موٹر مکینک ہوں۔میں نے کہا، تو پھر ذرا چل کر ہماری گاڑی دیکھ لو۔اس پر وہ شخص ہمارے ساتھ چل پڑااورگاڑی کا انجن کھول کر اِدھر اُدھر سے اس کے پرزے دیکھنے لگا۔تھوڑی دیر دیکھنے کے بعد بولا،ٹھہرو!میں ابھی آتا ہوں۔جب وہ واپس آیا تواس کے ہاتھ میں ایک پرزہ تھا۔جونہی اس نے وہ پرزہ گاڑی میں لگایا ،گاڑی سٹارٹ ہو گئی''

ڈاکٹر اطہر زبیر صاحب فرماتے ہیں،ہم بہت حیران ہوئے کہ اتنی جلدی اسے وہ پرزہ کیسے مل گیا کہ اسے ڈالتے ہی ہماری گاڑی چل پڑی ہے۔جب ہم نے اس آدمی سے پوچھا کہ بتاؤ یہ کیونکر ہوا، تو وہ کہنے لگا ،آپ یقین نہیں کریں گے۔ہم نے کہا ،تم بتاؤ،ہم یقین کر لیں گے۔اس پر اس نے بتایا کہ میرے پاس ایک پجارو گاڑی مرمت کے لئے آئی ہوئی ہے۔کل میں نے اپنے ملازم کوکہا تھاکہ کوٹونو(اس ملک کامرکزی شہر جو وہاں سے ۶۰۔۷۰ کلو میٹرڈور ہے) جاکر اس کا پرزہ لے آؤ۔وہ پرزہ لے توآیا مگر وہ کسی اَور نمبرکا تھا۔کل میں نے اسے دوبارہ کوٹونو بھیجنا تھا کہ وہ دوسرے نمبر کا پرزہ لے آئے۔ابھی جب میں آپ کی گاڑی دیکھ رہا تھا تو معلوم ہواکہ آپ کی گاڑی کا بھی وہی پرزہ خراب ہے ۔ چنانچہ میں نے وہ پرزہ لا کریہاں لگایا ہے اور وہ فٹ ہو گیاہے۔میں سمجھتا ہوں ،وہ غلط پرزہ آپ ہی کی گاڑی کے لئے آیا تھا۔اس پر ہم سب بہت حیرا ن ہوئے۔اس موٹر مکینک کو تو اس کی مزدوری ہم نے دے دی اورپھر ہم سب اپنے محسن و مہربان خداکا شکر ادا کرنے لگے کہ کس طرح اس نے ہماری پریشانی کے ازالہ کا پہلے ہی سے سامان فرما رکھا تھا۔فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

ڈاکٹر اطہرزبیر صاحب نے یہ بھی بتایاکہ وہ جرمن خاتون جس کا نام سوزانے (Susanne) ہے اور جو محض انسانی خدمت کے جذبے کے تحت ہمارے ساتھ آئی تھی،مذہباً عیسائی تھی مگرخداتعالیٰ کی نصرت کے اس قسم کے کئی واقعات دیکھ کر اتنی متأثر ہوئی کہ بعد میں وہ مسلمان ہو گئی۔ اور اِس وقت وہ باقاعدہ ہماری جماعت میں شامل ہو کر جماعت کی ایک فعال رکن کے طور پر کا م کر رہی ہے۔

آگے جانے سے پیشتر قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے یہ بتایا جاتا ہے کہ سسٹر سوزانے Susanne)کیونکر مسلمان ہوئی۔

سسٹر سوزانے(Susanne) کے قبول اسلام کا
دلچسپ واقعہ

ڈاکٹر اطہرزبیر صاحب کے ساتھ تو اس کے بعد خاکسار کی ملاقات نہ ہو سکی تاہم اس وفد کے ایک دوسرے ممبر مکرم ڈاکٹر محمد سرفراز صاحب بلوچ کے ساتھ اچانک ملاقات کا ایک موقع نکل آیا۔آپ بہن کوثر شاہین صاحبہ کے دامادہیں اور انہی کے مکان پران سے ملاقات ہو ئی۔جب انہوں نے باتوں باتوں میں بتایا کہ ۲۰۰۸ء میں ریپبلک آف بنین جانے والے وفد میں وہ بھی ڈاکٹر اطہر زبیر صاحب کے ہمراہ تھے توخاکسار کے پوچھنے پرکہ کیا وہ سسٹر سوزانے کو جانتے ہیں،انہوں نے بتایا کہ ہاں جانتا ہوں اورپھر خاکسار کے بتانے پرکہ مجھے اس خاتون میں اس قدر دلچسپی کیوں ہے،وہ کہنے لگے کہ دراصل وہی اسے اس وفدمیں ساتھ لے جانے کا ذریعہ بنے تھے۔پھر خا کسارکے دریافت کرنے پر اس کی تفصیل انہوں نے یوں بتائی کہ فرمایا:

’’جب ہماراوہ طبّی وفدریپبلک آف بنین جانے لگا تو میں اُس وقت میڈیکل کالج کے آخری سال میں تعلیم پا رہا تھا اور میں نے ہی آنٹی(مکرمہ کوثر شاہین صاحبہ جو اُس وقت ’’ہیومینٹی فرسٹ ‘‘ کی جرمن برانچ کے شعبہ خواتین کی انچارج تھیں) کے مشورہ پر سسٹرسوزانے کووفدکے ساتھ جانے کے لئے تیار کیا تھا۔بات یوں ہوئی کہ اب کی بار ہم نے کسی لیڈی ڈاکٹرکو اپنے ساتھ لیجانے کی ضرورت محسوس کی۔اتفاق سے اُس وقت کوئی احمدی لیڈی ڈاکٹر اپنے آپ کو فارغ نہ کر سکیں۔اس پر آنٹی صاحبہ نے ڈاکٹر اطہر زبیر صاحب کو اور مجھے مشورہ دیا کہ کیوں نہ ہم اپنی کسی جرمن کلاس فیلو کو اس کار خیر میں ساتھ جانے پرآمادہ کریں۔ڈاکٹراطہر صاحب پہلے تو جھجکے کہ شاید نیشنل امیرصاحب کسی غیر مسلم عورت کو ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں دیں گے مگر آنٹی صاحبہ کے کہنے پر کہ امیرصاحب سے بات تو کر دیکھیں،وہ راضی ہو گئے۔اس پرمیں نے اسے (سسٹرSusanne کوجو مجھ سے ایک سال جونیئر تھیں)اپنے ساتھ جانے کے لئے تیار کر لیا‘‘

آگے انہوں نے سفر کے حوالے سے سسٹرSusanne کے متعلق بتایا کہ’’ سفر کے دوران سسٹرSusanne ہمیں باجماعت نمازیں پڑھتے، نمازوں میں بڑے سوزو گداز سے دعائیں کرتے اور ہر اگلے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے دعا کرتے دیکھ کر اِس قدرمتأثر ہوئی کہ ایک بار جب ہم جلدی میں بغیر دعا کئے اگلے سفر پر چل پڑے تو وہ کہنے لگی،اس بارآپ لوگوں نے دعا نہیں کی۔چنانچہ ہم نے اسی وقت رُک کراورsorry کہتے ہوئے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اورپھرآگے چلے۔ اس کے علاوہ اس نے اوپر تلے نصرتِ غیبی کے بھی چند ایک واقعات دیکھے جن میں وہ واقعہ بھی تھا جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔اس پر اس نے دل ہی دل میں سوچنا شروع کر دیا کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں کہ ہر وقت خدا کو یاد کرتے ہیں اور خدا بھی ان کی غیرمعمولی رنگ میں نصرت فرماتا ہے۔اس طرح اسلام کے بارے میں اس کے اندر ایک مثبت رد عمل پیدا ہو

تا چلا گیا ‘‘

برادرم ڈاکٹر سرفراز صاحب نے آگے بتایا کہ

’’ جب اِس سفر کے چند ہفتوں بعد ہم اسی سال ’’ہیومینٹی فرسٹ ‘‘ کے تحت اپنے اگلے سفر پر روانہ ہونے لگے تو سسٹرSusanne اس بار بھی بڑے ذوق و شوق سے ہمارے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئیں۔اِس سفر کے دوران میں نے ایک دن دیکھا کہ وہ دوپٹہ اوڑھے کھڑی ہے۔اس پر میں نے ازراہِ مذاق کہا کہ کیا مسلمان ہو گئی ہو توکہنے لگی،ہوئی تو نہیں ، سوچ رہی ہوں۔اس کے کچھ دنوں بعد اس نے ہمارے ساتھ نمازیں بھی پڑھنی شروع کر دیں۔اور پھر ایک دن خود ہی کہنے لگیں کہ میں اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں۔چنانچہ اسلام قبول کرنے کے بعد اب وہ ہماری جماعت کا حصہ بن چکی ہیں ، اُن پر مکمل اسلامی رنگ غالب آ چکا ہے اوروہ اپنا بیشتر وقت جماعت کے مرکز بیت السبوح واقع فرانکفورٹ میں گزارتی اور شعبہ خواتین سے منسلک ہو کر ہمہ تن ہر خدمت کے لئے تیار رہتی ہیں۔اللہ تعالیٰ ا نہیں استقامت عطا فرمائے۔آمین!

☆☆☆

پروفیسر محمد ابراہیم ناصر مرحوم

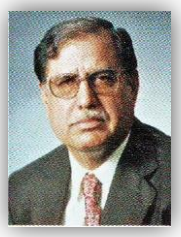

مصنفہ و مرتبہ
محمد دائود طاہر (اولڈ سٹوڈنٹ)

پروفیسر محمد ابراہیم ناصر صدر شعبہ ریاضی ہونے کے ساتھ ساتھ اُس زمانے میں کنٹرولر امتحانات بھی تھے۔وہ میرے سگے چچا تھے اس لیے مجھے انہیں قریب سے دیکھنے کاموقع ملا اور میں یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ ایک انتہائی بے نفس انسان تھے۔

وہ دو اکتوبر ۱۹۱۲ء کو اپنے آبائی گائوں موضع گھوگھیاٹ ضلع شاہ پور (حال سرگودھا) میں پیدا ہوئے۔ وہ رفیقِ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام، حضرت بابو فخرالدین صاحب کے صاحبزدے تھے۔انہوں نے میٹرک تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے، ایف اے صادق ایجرٹن کالج بہاولپور سے اور بی اے دیال سنگھ کالج لاہور سے پاس کیا۔مرحوم شروع ہی سے اصلاح و ارشاد کے کاموں میں دلچسپی رکھتے تھے لیکن جب وہ باقاعدہ تعلیم سے فارغ ہوگئے تو انہوں نے اپنی اس دلچسپی کا عملی اظہار اپنی زندگی خدمتِ سلسلہ کے لئے وقف کر کے کیا۔ مرحوم اپنے اس فیصلے کے محرک کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ رقمطراز ہیں :

”کئی سالو ں کا ذکر ہے، ابھی پیدا بھی نہ ہوا تھا کہ والدہ مکرّمہ نے جن کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سچی خوابیں دکھائی جا تی ہیں ایک خواب دیکھا جس میں انہوں نے حضرت اماں جان کو دیکھا کہ آپ ایک مکان کی لپائی فرما رہی ہیں۔والدہ صاحبہ نے تعجبّ سے دریافت کیا کہ آپ یہ کیا کرتی ہیں تو حضرت اماں جان نے فرمایا: ”یہ مکان تمہارے اس بیٹے کے لئے بنا تی ہوں جو اَب پیدا ہوگا۔“ اس خواب کے متعلق مجھے اکثر خواہش رہی کہ اس کی تعبیر معلوم کروں۔ ۱۹۳۳ء میں مئی کے آخر میں سیدنا حضرت خلیفۃالمسیح الثانی لاہور تشریف لے

گئے اور آپ نے احمدیہ ہوسٹل میں قیام فرمایا۔اُن دنوں میں نے حضور کی خدمت میں خواب لکھا جس پر حضور نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا:

عزیزم مکرم !

السّلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

لپائی صفائی کے لیے کی جاتی ہے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے پاک زندگی بسر کرنے کے سامان پیداکئے اور ایسی طاقتیں دیں ہیں کہ چاہیں تو نیک زندگی بسر کرسکتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا قدم مکین کا ہوتا ہے جو کبھی اسے ناپاک کر دیتا ہے۔یہ امر آپ سے تعلق رکھتا ہے۔

خاکسار

محمود احمد"

حضور کی بیان فرمودہ اس تعبیر کے پیش عمی المکرم کے دل میں تڑپ پیدا ہوئی کہ وہ خدمت احمدیت کے لئے اپنی زندگی وقف کردیں چنا نچہ مئی ۱۹۳۵ء میں جب وہ بی اے کا امتحان دے چکے تو حضرت مصلح موعود کی خدمت میں اپنا نا م پیش کیا جسے حضور نے بکمال شفقت قبول فرماتے ہوئے انہیں تحریک جدید کے منتخب شدہ واقفین میں شامل کر لیا اور امریکہ بھجوانے کا فیصلہ کیا گیا۔انہیں صوفی مطیع الرحمٰن صاحب کے ساتھ بطور معاون امریکہ بھجوانے کی تجویز تھی چنانچہ ان دونوں کی روانگی کا اکٹھا ہی پروگرام رکھا گیا۔حسب ِپروگرام یہ دونوں سترہ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو قادیان سے روانہ ہوئے اور اکتیس اکتوبر کو بمبئی سے قیصر ہند نامی جہاز کے ذریعے امریکہ کے لئے روانہ ہوئے۔وہ بیس نومبر کو لندن پہنچے جہاں اُن دنوں مولانا جلال الدین شمس مشنری انچارج تھے۔ایک ہفتہ یہاں قیام کے بعد وہ دونوں امریکہ کے لئے روانہ ہوئے مگر عمی المکرم کو امریکہ داخل ہونے کی اجازت محض اس وجہ سے نہ دی گئی کہ وہ کہ وہ عقیدہ کے لحاظ سے تعدّدِ ازواج کے قائل تھے۔ امریکہ میں داخلے کی اجازت نہ ملنے پر انہیں ہنگری کے دارالحکومت بوڈاپسٹ بجھوا دیا گیا۔

نومبر ۱۹۳۸ء میں ہنگری سے واپسی پر انہوں نے سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے بی ٹی کا امتحان پاس کیا اور ان کی تقرری تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں بطور استاد ہوگئی جہاں وہ بارہ سال تک کام کرتے رہے۔ اسی اثنا میں وہ پنجاب یونیورسٹی سے بطور پرائیوٹ امیدوار ایم اے ریاضی کا امتحان پاس کر چکے تھے چنانچہ جب تعلیم الاسلام کالج لاہور سے ربوہ شفٹ ہوا تو ان کی خدمات بحیثیت لیکچرر ریاضی کا لج کو منتقل کر دی گئیں جہاں وہ تا حیات تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔اس دوران انہیں چند سال جامعہ نصرت ربوہ میں بھی تدریس کا موقعہ ملا۔

ان کی شادی ۱۹۴۰ء میں ڈاکٹر سید رشید احمد کی بڑی بیٹی، محترمہ نظیر فاطمہ کے ساتھ قرار پائی جن کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے انہیں چار بیٹے اور چار بیٹیاں عطا فرمائیں۔یہ ساری اولاد ماشاء اللہ حیات ہے۔

وہ ۶ جولائی ۱۹۶۸ء کو مغرب کے وقت اچانک وفات پاگئے۔ بظاہران کی وفات کا سبب بلند فشارِ خون تھا۔اس حادثے کے وقت میں لاہور میں ایم اے کا امتحان دے رہا تھا اور اگلی صبح میرا پرچہ تھا لہٰذا میں ان کے جنازہ میں شامل نہ ہوسکا جس کا مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا۔

میرے ساتھ ان کا رشتہ بزرگی کا تھا لہٰذا میں ان سے بے تکلف تو نہ تھا لیکن میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا ہے اور میں شہادت دے سکتا ہوں کہ مرحوم صوم و صلوٰۃ کے پابند اور دعا گوانسان تھے۔میں لمبا عرصہ تک مشاہدہ کرتا رہا کہ اپنی صحت کی کمزوری کے باوجود وہ کم از کم ایک بار ضرور بیت مبارک جاتے۔ ہاں! جب صحت زیادہ خراب رہنے لگی تو انہیں مجبوراًیہ سلسلہ بند کرنا پڑاتا ہم اپنے محلہ کی بیت میں پنجوقتہ عبادت کے لیے باقائدہ حاضری دیتے۔

مرحوم کو اپنی اولاد کی تربیت کی خاص فکر رہتی تھی۔انہوں نے اپنی زندگی میں اپنے بڑے بیٹے اور بیٹی کی وصیت کرا دی تھی۔اسی طرح وفات سے کچھ عر صہ قبل انہوں نے اپنے دوسرے بیٹے محمد الیاس کو سکول سے ہٹا کرجامعہ احمدیہ کی حافظ کلاس میں داخل کرا دیا تھا۔

ان کے مشاغل میں سے باغبانی اور ہومیوپیتھی قابل ذکر ہیں۔

انہوں نے اپنے گھر میں بہت سے پودے لگا رکھے تھے اور جب تک صحت اچھی رہی روزانہ خود ان کی گوڈی اور آبیاری کرتے تاہم جب شوریلی زمین اور ناقص پانی کی وجہ سے پودے صحیح طرح نہ پنپ سکے تو مجبوراً انہیں یہ مشغلہ ترک کرنا پڑا۔

انہیں ہومیو پیتھی سے بھی طبعی اور فطری لگاؤ تھا اور اس طریق علاج میں کافی مہارت حاصل تھی مگر انہوں نے اپنے اس علم کو کبھی ذریعہ معاش نہیں بنایا بلکہ اس کے ذریعہ مخلوق خداکی بے لوث خدمت کواپنا وطیرہ رکھا۔ خدا تعالیٰ نے مرحوم کے ہاتھ میں شفا رکھی ہوئی تھی اور یہی وجہ تھی کہ ان کے ہاں وقت بے وقت مریضان آتے رہتے اور وہ پیشانی پر بل لائے بغیر ہر حاجتمند کی حاجت روائی اپنا فرض سمجھتے۔

مرحوم نے کئی سال تک نائب افسر جلسہ سالانہ کے طور پر خدمات سر انجام دیں اور اس حوالے سے کارکنان جلسہ سالانہ کی ڈیوٹی لسٹ کی تیاری ان ہی کی ذمہ داری ہوتی۔

یہاں یہ ذکر بے جا نہ ہو گا کہ مرحوم محلہ دارالصدر غربی (جسے اب شمالی کہا جانے لگا ہے) کے اولین آباد کاروں میں سے تھے۔دراصل یہ گھر ان کے خسر ڈاکٹر سید رشید احمد کی ملکیت تھا مگر ان کی ربوہ میں قیام کی خواہش پوری نہ ہو پائی۔ان کی اچانک وفات کے بعد مرحوم تعلیم الاسلام ہائی سکول کے کوارٹروں سے مستقل

طور پر اسی گھر میں منتقل ہو گئے۔

اُن دنوں اس محلہ میں کوئی بیت موجود نہ تھی چنانچہ آپ نے یہاں منتقل ہوتے ہی گھر کے بیرونی صحن میں ایک تھڑانما بیت بنوادی جس پر اہلِ محلہ پنجوقتہ عبادت کرنے لگے۔ بیت الانوار تو بہت بعد میں تعمیر ہوئی لیکن اس کی تعمیر میں بھی مرحوم نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا چنانچہ یہاں نصب ایک یادگاری تختی کے مطابق اس بیت کی تعمیر ''چوہدری اللہ بخش کاہلوں صدر محلہ اور محترم پروفیسر محمدابرہیم ناصر صاحب مرحوم کی کوششوں سے ہوئی۔''

☆☆☆

قومیائے جانے کے بعد گورنمنٹ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی حالتِ زار

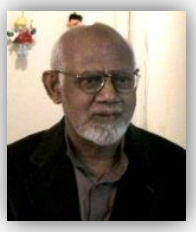

مصنفہ و مرتبہ
محمد شریف خان۔امریکہ

ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دورِ اقدار کو طول دینے کے لالچ میں جہاں پاکستانی سیاست میں کئی احمقانہ فیصلے کیئے ان میں طلباء اور اساتزہ طبقے کو قابو کرنے کے چکر میں ۱۹۷۴ میں پاکستان کے تمام تعلیمی اداروں کو قومیانے کا بیوقوفانہ فیصلہ تھا۔اس حرکت نے ملک اور تعلیم کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ گورنمنٹ رن اداروں کو تو چھوڑیئے جو انکا حال تھا سو ہے۔دکھ کی بات یہ ہے وہ پرائیویٹ تعلیمی ادارے جو اپنے مالکان کے زیرِانتظام بہترین نتائج دکھارہے تھے، اور سال بہ سال طلباء کی ایک بڑی کھیپ ملک و ملت کی خدمت سے سرشار تیار ہو کر نکلتی تھی، عضوِ معطل بن کر رہ گئے۔ایسے تعلیمی اداروں میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ ایک نمایاں پوزیشن کا حامل تھا۔ہر سال اس مادرِ علمی سے طلباء کی ایک معتد بہ تعداد پروفیشنل اداروں میں داخلے کے میرٹ پر آتی اور قوم وملت کی خدمت کے لیئے تیار ہوتی تھی۔

وائے قسمت جونہی یہ تعلیمی ادارہ گورنمنٹ انتظامیہ کے سپرد ہوا، احمدیت دشمن افسران کو پاکستان کے مختلف علاقوں سے چن چن کر فیصل آباد تعلیمی بورڈ میں متعین کیا گیا۔ طرح طرح کے پرنسپل ادلتے بدلتے رہے۔ جنہیں کالج میں پڑھائی سے کوئی سروکار نہیں تھا، طالب علم خوش رہیں، خواہ پروفیسر صاحبان کالج تشریف لاتے ہیں یا نہیں، اگر تشریف لاتے ہیں تو کلاسیں لیتے ہیں کہ نہیں، پرنسپل کی جرائت نہیں تھی کہ بازپرست کرے، مبادا پروفیسر صاحبان کے اکسانے پر طلباء سڑکوں پر ہائے ہائے کرتے نکل نہ آئیں۔انکی بڑی دلچسپی مہینہ ختم ہونے پر پے چیک وصول کرنا اور احمدی سٹاف کو ہراساں کرنا تھا اور بس۔ چنانچے یہ بھی ہو گیا کہ تمام احمدی اساتذہ کی ان بلاک ٹرانسفر کی نوٹیفیکیشن کے ذریعے پنجاب کے طول و عرض میں پھیلا دیا گیا، ان کے متبادل لوگوں نے ربوہ آنے سے انکار کر دیا، یوں یہ ایزادہی کا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا۔

تعلیم الاسلام کالج میں ایم اے عربی اور ایم ایس سی فزکس کی کلاسیں سالوں سے چل رہی تھیں۔ وزارتِ تعلیم کے فیصلے کے مطابق کالج کی پرانی عمارت انٹر کلاسسز کے لیئے مخصوص کر دی گئی تھی، جبکہ گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ کلاسسز کو علیحدہ عمارات میں منتقل کرنے کے لیئے کالج کی غربی جانب چھ فرلانگ پر ایک بڑے تعمیراتی منصوبے پر کام جاری تھا، جس میں کیمسٹری، فزکس، باٹنی اور زوالوجی کے لیئے الگ الگ ونگ کے تعمیر شامل تھی۔ایم ایس سی فزکس کی کلاسیں تو اپنے ونگ میں منتقل ہو بھی چکی تھیں۔ جب کہ دوسرے سائینسی مضامین کے ونگ مکمل ہونے پر ان میں ایم ایس سی کلاسیں شروع کرنے کا

پروگرام آخری مراحل طے کر رہا تھا۔

عمارت کی مخدوش حالت: ۱۹۵۲ میں تعلیم الاسلام کالج کی عمارت کی تعمیر کے دوران کلرزدہ زمین اور زیر زمین کھاری پانی کا خاص طور پر لحاظ رکھتے ہوئے احمد نگر سے ٹینکر کے ذریعے میٹھا پانی لا کر تعمیر میں استعمال کیا گیا تھا۔ اس احتیاط کے باعث کالج کی عمارات پنتیس چالیس سال تک جبکہ کالج انجمن کے زیرِ انتظام رہا چھوٹی موٹی بروقت مرمت ہونے کے باعث ٹھیک ٹھاک کام میں آرہی تھی۔ نئی انتظامیہ کی بے توجہی کا اثر برآمدوں اور کمروں کے فرش اور چھت کی شکست وریخت سے ظاہر ہونے لگا۔ گورنمنٹ نے ٹھکیداروں کے ذریعے کئی دفعہ مرمت کروائی جو الاّ ماشااللہ بمشکل ہفتہ عشرہ چلی۔ جب فرش کی اوپری پتلی سیمینٹ کی جھلی اتری نیچے سے سیمنٹ اور ریت کا امیزہ اچھل پڑا، طلباء پتھریلے صحرا میں سے گزرنے کا احساس لیئے راہداریوں میں گزرتے رہے۔ مرمت کے لیئے بڑی بڑی ڈگریوں کے حامل گورنمٹ کے انجینیئر صاحبان معائینہ کے لیئے تشریف لاتے، تخمینہ لگاتے، ٹینڈر طلب منظور ہوتے، مرمت ہوتی، معائینہ ہوتا، ہزاروں روپے بلوں میں ادا ہوئے۔۔۔۔۔ یہ کیا جادو ہوا، کہ راہداریوں میں طلباء کا چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا۔ چھتوں میں دراڑیں پڑ گئیں بارش کا پانی بجائے پرنالوں کے کمروں کے اندر تباہی لانے لگا، طلباء کا کلاس رومز میں عافیت سے بیٹھنا محال ہو گیا۔ تعلیم گئی بھاڑ میں!

بیالوجی میوزیم کی چھت کی مرمت کے دوران خاکسار ابھی کالج میں تھا۔ چھت ادھڑ رہی تھی نیم دلانہ کوششوں سے چھت کے بیم کے نہ ٹوٹنے کا بہانہ کیا گیا اور انہیں پر چھت ڈالدی گئی، نئے بیموں کی قیمت وصول کی گئی، اس جادوئی عمل کے نتیجے کے طور پر میرے ریٹائر ہونے تک سیمنٹ کے پلاسٹر کے ٹکڑوں کی بارش طلباء پر ہوتی رہتی تھی۔

الفضل انٹرنیشنل (۹۲ دسمبر تا ۴ جنوری ۲۰۰۷) میں چھپنے والی خبر سے معلوم ہوا کہ ان مرمتی مخمصوں کے باوجود کالج کی تمام عمارت خستہ حال ہونے کے باعث کالج کو کسی اور عمارت میں منتقل کیا جارہا ہے۔ جس کو بہانہ بنا کر ملاں ملاؤں نے ہنگامہ آرائی کی ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ہمارا ایمان ہے کہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ نے قائم رہنا ہے۔ بلکہ یونیورسٹی میں ترقی پا کر انسانیت کی خدمت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب تعلیم الاسلام طریقِ تعلیم پر مشتمل اس کالج کی شاخیں سیرالیون، گھانا، نائیجیریا اور دوسرے ممالک میں قائم ہو چکی ہیں، اور دن بدن ترقی پزیر ہیں۔

حضرت مسیحِ زماں علیہ السلام کی دعاؤں کے طفیل اور خواہش کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ جماعت احمدیہ کو تعلیمی ادارے قائم کرنے کی توفیق عطا کی ہے، جہاں نونہالانِ جماعت علمی اور ذہنی جلاء پا کر خدمتِ دین کے لیئے دنیا بھر میں پھیل کر خدمتِ انسانیت

کر رہے ہیں۔اب ربوہ میں تعلیم الاسلام کالج کی کمی نظارتِ تعلیم کے زیرِانتظام نئے قائم ہونے والے ادارے احسن طور پر پورا کر رہے ہیں۔امید ہے یہ ادارے ہر سال خدمتِ انسانیت کے جذبے سے سرشار نوجوان کی کھیپ ملک وملت کی خدمت کے لیئے پیدا کریں گے۔انشااللہ تعالیٰ

ے

میری نظر نہیں سوئے کوفہ وبغداد کریں گے اہلِ نظر نئی بستیاں آباد

☆☆☆

میرے اساتذہ کرام

تعلیم الاسلام کالج ربوہ

مصنفہ و مرتبہ
سید ہدایت اللہ ہادی (کینیڈا)

ہم نے بچپن میں سنا تھا کہ ماں باپ عرش سے فرش پر لاتے ہیں اور اساتذہ فرش سے عرش پر لے جاتے ہیں۔ یہ بات بالکل درست ہے۔ اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ اپنے اساتذہ کرام کی عزت اس طرح کرو جس طرح اپنے ماں باپ کی کرتے ہو۔ کیونکہ عموماً تمام ترقیات اور مدارج کا سرچشمہ اساتذہ ہوتے ہیں۔

ہمارے بچپن کا شعور ربوہ کا ہے۔ اس وقت آندھیاں اور بگولے چلا کرتے تھے۔ اور جگہ جگہ ٹوئے ٹبے تھے۔ کالی سیاہ اور بلند پہاڑیوں کا ایک سلسلہ تھا جو دریائے چناب سے شروع ہو کر ربوہ کی آخری حد تک ہوتا تھا۔ درّہ میں سے سڑک گزرتی تھی۔ ربوہ کے اندر بھی بعض محلّوں میں پہاڑیاں تھیں کچھ چھوٹی اور بعض بڑی۔ لوگ خیموں میں رہتے تھے۔ پھر بعد میں رفتہ رفتہ کچے مکان بننا شروع ہوئے اور بالآخر پکے مکان، بازار، دفاتر، لنگر خانے، سکول، کالج، مساجد، جلسہ گاہ، ہسپتال، لاریوں کا اڈہ، ریلوے سٹیشن، وغیرہ بنے غرضیکہ ربوہ ہماری آنکھوں کے سامنے آباد ہونا شروع ہوا اور ترقی پذیر ہوا۔

کالج کا زمانہ بہت خوبصورت زمانہ تھا۔ اکثر و بیشتر تمام اساتذہ طلباء سے بے حد ہمدردی رکھتے تھے اور ان کے لئے دعائیں بھی کرتے تھے اور طلباء کے والدین سے ذاتی مراسم ہوتے تھے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ تعلیم الاسلام کالج کے در و دیوار سے اخلاص و محبت اور وفا کے چشمے پھوٹتے رہے۔ اس ادارہ نے دنیا کے کونے کونے میں لائق وفائق اور مخلص احمدی پروان چڑھائے ہیں شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو جہاں تعلیم الاسلام کالج کا کوئی طالب علم نہ ہو۔

ہمارے سوٹ پہننے کی ابتداء بھی کالج کے زمانہ سے ہوئی۔ یہ 1962ء کا زمانہ تھا جب میں تعلیم الاسلام کالج میں داخل ہوا۔ میرا داخلہ بھی ایک دلچسپ واقع ہے۔ مجھ سے کم نمبر پانے والے طلباء کو سائنس میں داخلہ مل رہا تھا مگر مجھے داخلہ دینے سے انکار کیا جارہا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ پرنسپل تھے۔ انہوں نے فرمایا میں آپ کو نمبروں کی کمی کی وجہ سے سائنس میں داخلہ لینے سے نہیں روک رہا بلکہ آپ کے فطری اور فکری رجحانات کی وجہ سے آرٹس میں زیادہ مناسب خیال کرتا ہوں ۔ لیکن میرے بچپن کے دوست سائنس میں داخلہ لے چکے تھے ان سے جدائی قدرے دشوار ہو رہی تھی۔ بہر کیف پرنسپل صاحب نے ازراہ نوازش ہمیں Pre-Engineering Science Group میں داخلہ دے دیا۔ لیکن ہوا وہی جو حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ دوسرے سال کے آخر میں واپس آرٹس کی طرف لوٹا۔ اس موقع پر فرمایا کہ اب تم میرا مضمون

اکنامکس پڑھو۔ یہ Chemistry of the Arts ہے۔اس بار ہم نے حکم کی تعمیل کی اور سائنس کے دوستوں کو خیر باد کہا اور نئے دوستوں سے جس طرح ہوا نباہ کیا۔اور بہتر کارکردگی ظاہر کی۔الحمدللہ۔

تاہم سائنس کے دوران مرحوم پروفیسر میاں عطاءالرحمٰن صاحب سے فزکس پڑھی۔آپ شعبہ فزکس کے صدر تھے۔ہمارے پرنسپل صاحب کے خاص دست راست تھے۔ عموماً تمام امور میں ان کی مدد کرتے تھے۔دبلے، پتلے کمزور اور ناتواں سی شخصیت تھی۔ان نحیف اور ناتواں کندھوں نے کالج کا بہت سا بوجھ اٹھایا ہوا تھا مگر پھر بھی تھکتے نہیں تھے۔بہت ہی محنتی اور بلند ہمت تھے۔ہمیشہ شیروانی اور سفید شلوار پہنتے۔ہاتھ میں چاک کا ڈبہ اور انگلیاں چاک سے سفید نظر آتی تھیں بلکہ سیاہ گاؤن پر بھی چاک کے سفید نشان نظر آتے تھے۔بہت ہی شریف، ہمدرد، خیر خواہ، نیک، صالح، متقی اور دعا گو استاد تھے۔

مرحوم پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد خان طبیعات میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ان کی دیرینہ کوششوں سے ہی ڈگری کالج میں ایم ایس سی فزکس کی کلاسز شروع ہوئیں۔اور نتائج کے اعتبار سے پنجاب یونی ورسٹی میں ٹی آئی کالج نے نام پیدا کیا۔نصیر خان صاحب نہ صرف خوبصورت بلکہ خوب سیرت بھی تھے۔نہایت عمدہ لباس پہنتے۔بہت نفیس طبیعت تھی۔کالج کی یہ خصوصی روایت تھی کہ اساتذہ اور طلباء ٹوپی ضرور پہنیں۔نجانے ٹوپی میں کیا رکھا ہے ! پہنے یا نہ پہنے۔لیکن ہم نے نصیر خان صاحب کو ٹوپی پہنتے کبھی نہیں دیکھا۔ان کی یہ ادا ہمارے دل کو بہت اچھی لگتی تھی۔کیونکہ ہم بھی ٹوپی نہیں پہنتے تھے۔خان صاحب ایک اچھے بلند پایہ شاعر تھے۔رود چناب ان کا بہت خوبصورت مجموعہ کلام ہے۔سائنس کے ساتھ ساتھ ادبی ذوق بھی بہت اعلیٰ تھا۔ہمدرد اور خیر خواہ استاد تھے۔

مرحوم مسعود احمد عاطف ؔبھی طبیعات پڑھایا کرتے تھے۔ان کا کندھا خوب ہلا کرتا تھا۔انہیں پڑھاتے وقت ہاتھ سے اپنا چشمہ اوپر نیچے کرنے کی بہت عادت تھی۔جس کی وجہ سے ان کا چشمہ چاک کے سفید دھبوں سے اٹا ہوتا تھا۔لیکن پھر بھی ان کو 20/20 ہی دکھائی دیتا۔

بعد میں مکرم چوہدری محمد ارشد بھی اسی شعبہ سے وابستہ ہو گئے۔خوب دلچسپی سے فزکس پڑھاتے تھے۔اچھے استاد تھے۔

کیمسٹری کے شعبہ کے صدر شاہ جی تھے۔جن کا نام ڈاکٹر سید سلطان محمود شاہ صاحب ہے۔شاہ جی دل کے شاہ اور مزاج کے بادشاہ تھے۔کیمسٹری میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔کئی کتابوں کے مصنف تھے۔کیمسٹری پڑھانے میں طاق تھے۔نہایت خوش گفتار، خوش لباس اور خوش مزاج آدمی تھے۔بہت سادہ، بے تکلف اور گھل مل جانے والے استاد تھے۔بہت آرام آرام سے اور آہستہ آہستہ، دھیمے لہجے میں بات کرتے۔ان کے ایک بھتیجے سید شریف احمد المعروف بُھل ہمارے کلاس فیلو تھے۔وہ بھی شاہ جی کی طرح بادشاہ تھے۔شاہ جی کا ایک نہایت یادگار مضمون" باباشادی" ہم نے تعلیم الاسلام کالج کے رسالہ المنار میں شائع کیا تھا جو بہت مقبول ہوا۔شاہ جی کا شمار ہر دلعزیز اساتذہ میں ہوتا تھا۔

آج کل قدرے علیل ہیں۔ان کی صحت و سلامتی اور درازی عمر کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

تحریک خلافت کے علمبردار رام پور کے تاج دار تین بھائی تھے۔ایک مولانا محمد علی جوہرؔ اور دوسرے مولانا شوکت علی اور

تیسرے ذوالفقار علی خان گوہرؔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کسی نے مولانا شوکت علی سے کہا کہ آپ کے دونوں بھائی تخلص فرماتے ہیں آپ بے تخلص کیسے ہیں۔ کیا بہتر نہیں کہ آپ اپنا تخلص شوہرؔ فرمالیں۔

حضرت ذوالفقار علی خان گوہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکومت سے " خان صاحب" کا خطاب ملا تھا۔ مرحوم پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب ان کے فرزند ارجمند تھے اور ہمیں کیمسٹری پڑھایا کرتے تھے۔ معلومات افزا اور نہایت دلچسپ سائنسی مضامین آسان اور سلیس اردو زبان میں لکھتے جو جماعت احمدیہ کے رسائل و جرائد اور اخبارات کی زینت بنتے رہے۔ آپ نے اردو میں چند سائنسی کتابیں بھی تالیف کی ہیں۔ آپ یوپی کی وضع قطع کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔

میرے ابا کے دوست تھے۔ امتحانات کے دوران بطور Invigilator مجھے اپنے ساتھ سفر پر لے جاتے۔ کیمسٹری پڑھاتے وقت بڑی تیزی سے بلیک بورڈ پر لکھتے تھے اور اتنی ہی تیزی سے بلیک بورڈ کو صاف کرتے تھے۔ شیروانی اور مخصوص پاجامہ زیب تن رکھتے۔ نہایت مخلص، محنتی، نیک، صالح، متقی اور دعا گو بزرگ استاد تھے۔

مبارک احمد انصاریؔ اور رفیق احمد ثاقبؔ نامیاتی اور غیر نامیاتی کیمسٹری پڑھایا کرتے تھے۔ دونوں بھائی اکثر سوٹ میں ہوتے تھے۔ دونوں ہی کم گو اور نفیس طبیعت کے مالک تھے۔ انصاری صاحب کینیڈا میں ہوتے ہیں۔ جب کہ ثاقب صاحب ربوہ میں مقیم ہیں ۔انصاری صاحب تالیف و تصنیف کے کاموں میں اب بھی ہمارا بہت ہاتھ بٹاتے اور بہت مفید مشورے دیتے ہیں۔ اس خاندان کی خوبی یہ ہے کہ اپنے عزیز و اقارب کا بہت خیال رکھتے ہیں۔

سائنس پڑھتے ہوئے لیبارٹری کے حوالہ سے اگر عبدالشکور ہاشمی صاحب کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ ناانصافی ہوگی۔ بھلے آدمی تھے۔ اساتذہ اور طلبا کی خوب خدمت کرتے تھے۔ کالج کی لائبریری میں بھی دکھائی دیتے تھے۔ ہمارے محلہ دار بھی تھے۔ گھر کے آگے دروازہ پر بوری کا ٹپڑ لٹکا رہتا تھا۔ حضرت مولانا غلام رسول راجیکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے سامنے ان کا گھر تھا۔ حضرت مولاناؓ کے گھر پر لکھا ہوتا تھا۔

پتہ پوچھے اگر کوئی قدسی فقیر کا
کہہ دیجیئے منزل قدسی یہی تو ہے

شعبہ ریاضی کے صدر مرحوم پروفیسر ابراہیم ناصرؔ صاحب تھے۔ تاہم الجبرا، پروفیسر چوہدری حمید اللہ صاحب سے پڑھا اور ٹرگنومیٹری، مرحوم پروفیسر عبدالرشید غنی انبالوی صاحب سے پڑھی اور کیلکولس، مرحوم پروفیسر محمد ابراہیم ناصر صاحب نے پڑھائی۔ آپ ناظم امتحانات بھی تھے۔ اور ہنگری میں بطور مشنری خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کو ہومیو پیتھی کا بہت شوق تھا۔ گھر میں بے شمار دوائیں رکھی ہوتی تھیں۔ دارالصدر غربی میں مسجد کے قریب ہی ناصر صاحب کا گھر تھا۔ شام کو مریضوں کو دیکھا کرتے تھے۔ شافی مطلق خدا نے ان کے ہاتھ میں بہت شفا رکھی ہوئی تھی۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر ڈیوٹی چارٹ کے نگران اعلیٰ

تھے۔ ہماری خواہش ہوتی تھی کہ گھر کے قریب ہی لنگر خانہ میں ڈیوٹی مل جائے تو آسانی ہو جائے گی۔ محترم ناصر صاحب ازراہ شفقت ہمیں ہر سال اس قسم کی سہولت فراہم کرتے رہے۔ فجزہ اللہ احسن الجزائ۔

یہ تینوں حضرات ریاضی میں طاق تھے۔ چوہدری صاحب پنجاب یونی ورسٹی میں اول آئے تھے۔ عام طور پر وہ پڑھاتے وقت الجبرا کے کئی مراحل ذہنی طور پر ایک ہی جست میں طے کر جایا کرتے تھے۔ جس سے عام سطح کا طالب علم پریشان ہوتا تھا۔ انبالوی صاحب مرحوم اور ناصر صاحب مرحوم ہر مرحلہ کی وضاحت کر کے آہستہ آہستہ آگے بڑھتے تھے۔ حسن اتفاق سے یہ تینوں حضرات میرے ابا سے راہ ورسم رکھتے تھے۔ چوہدری صاحب نظم وضبط کے بہت پابند تھے۔ ہمارے چیف پراکٹر بھی تھے۔ اس لئے ٹوپی نہ پہننے کے بارہ میں ہم سے اکثر ناراض رہتے تھے۔ اور اعلیٰ حضرت پرنسپل صاحب اور انتظامیہ ہماری کمزوریوں کی پردہ پوشی کرتی رہی۔ اس امید سے کہ آگے چل کر یہ اچھے کام کرے گا۔ خدا تعالیٰ ان کی توقعات پر پورا اترنے توفیق عطا فرمائے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے دامے، درمے، سخنے خدمت کی توفیق مل رہی ہے۔ البتہ ٹوپی ابھی تک نہیں پہن سکا اور یہ عارضہ ہمارے سوا بعض اور لوگوں کو بھی لاحق ہے جو ڈاکٹر اور پروفیسر بھی کہلاتے ہیں۔ کئی کتابوں کے مؤلف ومرتب اور سینکڑوں مضامین کے خالق ہیں۔ طلباء میں مقبول اور یاروں کے یار ہیں۔ آج کل کینیڈا میں مقیم ہیں۔ اگر انہیں کوئی ٹوپی پیش بھی کر دے تو بصد شکریہ واپس کر دیتے ہیں۔ اور کہتے کہ یہ کسی بھلے مانس کی عزت ہے۔ اس کے سر پر ہی زیادہ سجتی ہے۔ یہ ان کی وضعداری کی ایک خوبصورت جھلک ہے جو دیگر خوبیوں سے انہیں ممتاز کرتی ہے۔ حضرت صاحب کے ساتھ بھی ان کی ننگے سر تصویر ہے۔ مرحوم پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد خان بھی اسی قبیل کے وضعدار آدمی تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ننگے سر کھڑے ہیں۔ کالج کے زمانہ میں انگریزی کے آفتاب احمد اور بیالوجی کے حبیب الرحمٰن بھی ٹوپی نہیں پہنتے تھے۔ ہم نے ڈاکٹر ظفر وینس کو بھی کم ہی ٹوپی میں دیکھا ہے۔

ایم ٹی اے کے مقبول پروگرام لِقَاء مَعَ العَرَبْ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ساتھ مرحوم السید حلمی الشافی ننگے سر خوبصورت دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح کبھی کبھی مصطفیٰ ثابت بھی ننگے سر خطاب فرماتے رہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ محبت وعقیدت اور احترام والتزام میں ٹوپی آڑے نہیں آتی۔

اردو شعبہ کے صدر مرحوم پروفیسر شیخ محبوب عالم خالد صاحب تھے۔ آپ پرنسپل صاحب کے خاص معتمدین میں سے تھے۔ یہاں تک کہ عین پرنسپل صاحب کے دفتر کے سامنے ایک چھوٹا سا دفتر حضرتِ شیخ کا بھی تھا۔ تیرے گھر کے سامنے اک گھر بناؤں گا، کی تصویر بنے بیٹھے رہتے تھے۔ ان کی کلاس میں اردو ادب کا شاید ہی کوئی ایک آدھ طالب علم ہو گا۔ میرے خیال میں ہمارے کلاس فیلو صرف مبارک احمد عابدؔ تھے جنہوں نے خالد صاحب سے اردو ادب پڑھا۔ اس لئے خالد صاحب عموماً دیگر کاموں میں مصروف رہتے تھے۔

مرحوم پروفیسر شیخ محبوب عالم خالدؔ صاحب کے بارہ میں ایک بات یاد آگئی۔ جب ہم کچے گھروں میں ریلوے سٹیشن کے قریب رہتے تھے تو شیخ صاحب اپنے کتے کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے آیا کرتے تھے اور شام کو بی بی سی کی خبروں کا خلاصہ سنایا کرتے

تھے۔ ہم نے یہ بات رسالہ المنار کے ایک مزاحیہ کالم میں لکھ دی کہ شیخ محبوب عالم خالدؔ صاحب کا کتا بھی نمازی تھا۔ بلاناغہ پانچوں وقت حضرت شیخ کے ساتھ آتااور مسجد کے باہر بیٹھ جاتابس اس مزاحیہ کالم کا شائع ہونا تھا کہ طوفان برپاہو گیا۔اعلیٰ حضرت پرنسپل کی خدمت میں پیشی ہوئی اپنے لکھے پر نادم ہوااور مرتا کیانہ کرتا۔ معافی مانگی اور ہمارے مہربان اور شفیق پرنسپل صاحب نے ایک ہلکاسا تبسم فرمایااور نصیحت کی کہ مزاح میں بھی ادب اور شرعی پہلوؤں کا خیال رکھنا چاہئیے۔

کالج میں اردو لازمی مضمون تھا۔اس مضمون کی سب سے بڑی کلاس ہوتی تھی جو عموماً کالج کے ہال میں ہوا کرتی تھی۔ ناصر احمد خاں پروازی بغیر لاوڈ سپیکر کے اردو پڑھایا کرتے تھے۔ خوب صاحب ذوق ہیں۔ دل جلے تو پہلے ہی تھے مگر سگریٹ پی پی کر انگلیاں تک جلالی تھیں۔ کہاجاتاہے کہ انہوں نے کبھی اردو کا نصاب مکمل نہیں کیا۔ لیکن پھر بھی اردو کا نتیجہ بورڈ میں اتنا برا نہ تھا۔ پڑھاتے ہوئے ان کی بھرپور خواہش ہوتی تھی بلکہ انتھک کوشش تھی کہ سائنس کے طلباء بھی صاحب دل ہو جائیں اور عشق و محبت کے جذبہ سے سرشار ہو کر مے خانہءاردو سے جام پیا کریں۔ مگر ساقی میں اتنادم خم کہاں کہ سب کو سیر کر سکے تاہم محبت کی چاشنی پیدا کرنے میں قدرے کامیاب ہو گئے تھے۔البتہ خود حساب کتاب میں بہت کمزور تھے۔اس لئے بعض طلباء کا خیال تھا کہ ان کو چالیس سے آگے گنتی نہیں آتی۔اردو میں کم نمبر دینے کے عادی تھے۔ ویسے قد آور، دبلے، پتلے، گورے، چٹے، میلوں میل پیدل چلتے، سبک رفتار، مزاح میں ایک خاص ذوق رکھتے ہیں۔ بعض اوقات بڑے چھوٹے اور موقع و محل کا لحاظ نہیں رکھتے لیکن ذوق لطیف اور مزاح کی چاشنی پھر بھی برقرار رہتی اور محفل کو گرما دیتے۔اکثر ہم ان کے ساتھ ہی کالج جاتے اور واپس آتے ،راستے میں دوران گفتگو خوب مزاح پیدا کرتے۔

بعد میں سید سجاد احمد شعبہ اردو سے ہی وابستہ ہو گئے۔ چھوٹا قد تھا۔ عموماً سوٹ پہنتے۔ ٹھیٹھ پنجابی اور دیہاتی لہجہ میں اردو پڑھاتے۔ اور طالب علم خوب لطف اندوز ہوتے بعض ان کی نقل بھی اتارتے۔ بعض طالب علم کہتے کہ یہ ہماری کلاس کے 'سجاد حیدر یلدرم' ہیں۔

شعبہ تاریخ کے صدر صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب تھے۔انہی دنوں بیرون ملک سے ربوہ میں وارد ہوئے تھے۔انہیں سٹاف روم سے الرجی تھی۔ شاید ہی کبھی کسی نے صاحبزادہ صاحب کو سٹاف روم میں دیکھا ہو۔اعلیٰ حضرت گرمیوں میں آدھی بازو کی ٹی شرٹ اور نیکر پہن کر آتے۔ان کے بازو گھنے سیاہ بالوں سے اٹے ہوتے۔ وہ اپنی سفید واکس ویگن میں عین کلاس روم کے سامنے اپنی بیگم کے ہمراہ تشریف لاتے۔ کار کا دروازہ کھولتے۔اپنا سیاہ گاؤن نکالتے اور پہنتے۔اپنے ساتھ کتابوں کا ایک انبار لاتے اور عین اس وقت بے چارہ باباشادی بھی برآمدے میں موجود ہوتا جیسے ہی میاں صاحب کی کار رکتی بھاگ کر جاتا۔ کچھ کتابیں اٹھاتا، کچھ گراتاہوا کلاس روم میں لے کر جاتا۔ میاں صاحب بڑی محنت سے اپنا تاریخ کا لیکچر تیار کرتے۔ بے شمار book mark سے کتابیں سجی ہوتیں۔تاریخ انگریزی میں پڑھاتے۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انگریزی ان کی مادری زبان ہے۔ بیگم صاحبہ ان کو کلاس کے سپرد کر کے کار لے کر واپس چلی جاتیں۔

بعد میں محمد عثمان صاحب، چوہدری نذیر احمد، عبدالرشید فوزی اور حمیداللہ ظفر بھی شعبہ تاریخ سے وابستہ ہو گئے۔ یہ چاروں

حضرات اچھے استاد تھے۔

انگریزی شعبہ کے صدر پروفیسر صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب تھے۔ انہیں خاکوں اور نظموں میں زیادہ دلچسپی تھی۔ ان کا لب ولہجہ انگریزوں سے ملتا جلتا تھا۔ ہمیشہ ٹہل کر پڑھایا کرتے تھے۔ وقت کے بہت پابند تھے۔ آفتاب احمد، خوش شکل، خوش رفتار، اچھے لباس کے شوقین تھے۔ انگریزی پڑھاتے تھے۔ عموماً مسکراتے رہتے تھے۔ بعد کو سینٹرل سپیریر سروسز آف پاکستان کے امتحان میں کامیابی حاصل کر کے کہیں انکم ٹیکس آفیسر مقرر ہو گئے۔ حبیب الرحمٰن کے گہرے دوست تھے اور محلہ دارالیمن میں ایک ساتھ ہی رہتے تھے۔ حبیب الرحمٰن بیالوجی پڑھاتے تھے۔ اپنے لمبے لمبے گھنے بالوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اور گاہے بگاہے ان کو جھٹکتے رہتے۔ بھلے آدمی تھے۔ حبیب صاحب کے جانے کے بعد عبدالشکور اسلم آ گئے۔ بات ہو رہی تھی انگریزی کے اساتذہ کی بیچ میں بیالوجی آ گئی۔

اللہ بھلا کرے ہمارے مرحوم چاچا چوہدری محمد شریف خالد کا وہ انگریزی کے استاد تھے اور ایڈوکیٹ بھی۔ ادیب بھی تھے اور شاعر بھی۔ خالصتاً دیہاتی لہجہ میں انگریزی پڑھایا کرتے تھے۔ مگر خوب پڑھاتے تھے۔ انگریزی سمجھانے کے لئے ہیر وارث شاہ، غالب، مولانا روم، سعدی، حافظ، امراء القیس کے اشعار سناتے۔ شعر وادب کی ان نزاکتوں کے ادراک کے باوجود بھینسوں اور ان کے چارہ وغیرہ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ان کے بچے ویسٹرن کینیڈا میں مقیم ہیں۔

پروفیسر حمید احمد چوہدری صاحب بھی ایک حصہ کو انگریزی پڑھاتے، وضع قطع میں خوب تھے۔ عام طور پر حمیدی صاحب کے نام سے پہنچانے جاتے ہیں۔ ہم نے ہمیشہ انہیں سوٹ میں دیکھا۔ ایک اچھے اور ہمدرد استاد ہیں۔ طلباء میں کالج کی سرگرمیوں کو پروان چڑھانے اور ان کی حوصلہ افزائی میں نمایاں کردار ادا کرتے۔ شاگردوں میں گھل مل جاتے۔ آج کل جرمنی میں ہیں۔ ڈاکٹر ظفر وینس کے گہرے دوست تھے۔ نجانے انگریزی اور اکنامکس میں کیا قدر مشترک تھی۔ شاید یہ دونوں بہت صاف گو تھے۔ سچی اور کھری بات کہتے۔ بے جا مدح سرائی، خوشامد اور چاپلوسی دونوں کو پسند نہیں تھی۔

ڈاکٹر ظفر احمد وینس صاحب شعبہ اقتصادیات کے صدر تھے۔ وینس صاحب کو کندھے کو ہلاتے ہوئے ٹہل ٹہل کر پڑھانے کی عادت تھی۔ اردو میں اکنامکس پڑھانا گناہ سمجھتے تھے۔ الفاظ خوب چبا چبا کر ادا کرتے جو آسانی سے ہضم ہو جاتے تھے۔ طبیعت میں قدرے سختی تھی۔ کم نمبر دینا ان کی عادت ثانیہ تھی۔ لیکن ہمدرد اور اچھے استاد تھے۔ اپنے مضمون کو ہمیشہ update رکھتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد عزیز احمد طاہر شعبہ اقتصادیات منسلک ہو گئے۔ بہت موٹا چشمہ لگاتے تھے اور بہت شرمیلے تھے۔ پھر اسی شعبہ میں رشید احمد جاوید شامل ہو گئے۔ رشید جاوید اچھا ادبی ذوق رکھتے تھے۔ رسالہ المنار کی ادارت سے بھی وابستہ رہے۔ بعد میں کراچی میں سٹیٹ بنک سے وابستہ ہو گئے۔

وینس صاحب کے مضمون کے ساتھ ایک مصیبت یہ آن پڑی تھی کہ شماریات ضرور پڑھی جائے۔ وہ اعلیٰ حضرت مرغی خانے کے بہت دلدادہ تھے۔ وہ مرغیوں کے انڈوں کو قطار در قطار ترتیب دیتے پھر شماریات کے حساب سے گراف بناتے اور ان کی تعداد بتاتے جو عام طور پر صحیح ہوتی تھی۔ بہت سادہ طبیعت تھے۔ بوشرٹ اور پینٹ پہنتے تھے۔ ان کو ننگے سر کبھی نہیں دیکھا۔ وہ

مرغیوں کے دڑبے میں بھی ٹوپی پہن کر جھانکتے۔ ادب ہو تو ایسا ہو کہ اعلیٰ حضرت مرغیوں کا بھی احترام کرتے تھے۔ Statistics پڑھانے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ان کا نام نامی سعید اللہ خان تھا۔ایک اچھے ہمدرد استاد تھے۔

اساتذہ کرام کا ذکر کرتے ہوئے اگر لائبریرین کو فراموش کردوں تو یہ زیادتی ہوگی کیونکہ وہ کتابوں، رسالوں اور مضامین کے حصول اور تلاش میں اساتذہ اور طلباء کی سب سے زیادہ خدمت کرتا ہے۔ ہمارے کالج کے لائبریرین چوہدری محفوظ الرحمٰن تھے ۔ باسکٹ بال کے اچھے بوسٹر تھے۔ موٹا سا چشمہ لگاتے تھے اور سارا دن خود ہی کتابیں پڑھتے رہتے تھے۔لائبریری میں طالب علم کم نظر آتے تھے۔ عام طور پر اساتذہ کرام ہی اچھی اچھی کتابیں لائبریری سے لے جاتے تھے اور سٹاف روم کی زینت بنادیتے تھے کیونکہ جب کبھی ہمیں ان کی ضرورت پڑتی تو معلوم ہوتا ابھی تک کتاب واپس نہیں آئی۔

تعلیم الاسلام کالج میں بھی ایک خوبصورت تکون تھی۔ یعنی باپ، بیٹا، استاد تھے اور بھائی شاگرد تھا۔ باپ سے میری مراد شیخ محبوب عالم خالدؔ صاحب سے ہے۔ بیٹے سے میری مراد منور شمیم خالدؔ سے ہے جو شعبہ سیاسیات کے صدر تھے۔اور بھائی سے مراد شیخ مظفر خالدؔ ہے جو اپنے ابا اور بھائی کے بھی شاگرد تھے اور سیاسیات کے طالب علم تھے ۔ مظفر خالد اب اللہ میاں کو پیارے ہو چکے ہیں۔ ہمارے بہت ہی پیارے دوست تھے۔ گول بازار خواجہ ریسٹورنٹ میں گئی رات تک بیٹھے رہتے تھے۔ جہاں مرحوم شیخ محبوب عالم خالدؔ صاحب پست قد کے تھے وہاں اتنے ہی بلند ہمت اور سخت جان بھی تھے۔تاہم قد و قامت میں منور شمیم خالد اپنے والد سے دوگنا لمبے ہیں۔ سیاسیات ان کا محبوب مضمون تھا وہی مضمون ساری عمر پڑھاتے رہے۔ منور شمیم خالد صاحب کو علمی اور ادبی ذوق ورثہ میں ملا ہے۔ جماعت کے رسالوں میں ان کے مضامین گاہے بگاہے شائع ہوتے ہیں۔ بعد میں اسی شعبہ سے محمد ارشد ترمذی صاحب منسلک ہوگئے۔ کالج یونین کے پریذیڈنٹ بھی رہے۔ منور شمیم خالد کے ایک اور شاگرد عبدالجلیل صادقؔ بھی شعبہ تدریس سے منسلک ہوگئے مگر وہ انگریزی پڑھانے لگے۔ کم گو تھے۔ والی بال کے بہت اچھے کھلاڑی تھے۔ ہمارے محلہ دار تھے۔

شعبہ اسلامیات کے صدر مرحوم مولوی محمد دین صاحب تھے اس وقت اکیلے ہی استاد تھے بعد میں ایک اور استاد مرحوم چوہدری انور حسین اس شعبہ سے منسلک ہوگئے۔ بہر کیف ہم نے اسلامیات مولوی صاحب موصوف سے ہی پڑھی۔ ہمارے محلہ کے امام الصلوٰۃ تھے۔ آپ کے سر اور داڑھی کے بال سفید تھے۔ آپ کے صاحبزادے مسعود مزاج کے لحاظ سے اپنے ابا کے مضمون سے ذرا مختلف تھے۔ مگر یاروں کے یار تھے۔ وہ کہا کرتے تھے۔

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

دینیات کے تعلق میں ملک محمد عبداللہ صاحب کو کیسے فراموش کیا جائے وہ بھی بڑی محنت سے دینیات پڑھاتے۔ بہت ہی بھلے اور

شریف آدمی تھے۔ان کی صاحبزادی عائشہ صدیقہ ٹورانٹو میں مقیم ہیں اور فاروق احمد ملک کی اہلیہ ہیں۔

چوہدری عطاءاللہ صاحب فارسی پڑھاتے تھے۔یہ فارسی کے اکیلے ہی استاد تھے۔شاید 'پڑھیں فارسی اور بیچیں تیل' کے خوف سے ان کی کلاس میں تین چار طالب علم ہی ہوتے تھے۔ہمیں مرتا کیا نہ کرتا فارسی اختیاری پڑھنا پڑھی۔لیکن خدا کا شکر ہے کہ تیل بیچنے سے بچ گئے ہیں۔ھٰذا من فضل ربی۔ایں سعادت بزور بازو نیست۔چوہدری صاحب پر اردو یا انگریزی کی کلاس کی طرح زیادہ بوجھ نہیں تھا۔ان پر عموماً غنودگی طاری رہتی تھی اس لئے کلاس میں جاگتے کم،اور سوتے زیادہ تھے۔

مرحوم پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب شعبہ عربی کے صدر تھے۔اور ہمارے پرنسپل صاحب کے قدیم دست راست تھے۔ان کا دفتر بھی عین پرنسپل صاحب کے دفتر کے سامنے تھا۔چوہدری محمد سلطان اکبر صاحب اور محمد اسلم صابر صاحب بھی عربی پڑھاتے تھے۔صابر صاحب ٹورانٹو میں ہیں اور جامعہ احمدیہ کینیڈا میں پروفیسر ہیں۔مسجد بیت الاسلام کے امام الصلوٰۃ تھے۔بارش ہو یا طوفان نمازیں جمع کروائیں تو مقتدی کو تراویح پڑھنے کا گمان ہوتا تھا۔امام ہوں تو ایسے ہوں۔ویسے خوش الحان ہیں۔نظمیں گا کر پڑھتے ہیں۔صابر صاحب بڑے صبر سے فرمانبرداری اور مدح سرائی کرتے ہیں۔شاید اسی لئے مدح کہتے ہیں یا نعت لکھتے ہیں۔غزل ان کا مضمون نہیں۔

چوہدری محمد سلطان اکبر صاحب چشم بد سے بچنے کے لئے ہمیشہ سیاہ چشمہ لگایا کرتے تھے اور انگلی منہ پر رکھ کر ہمیشہ مسکراتے رہتے تھے۔اکثر سوٹ پہنتے تھے۔آج کل امریکہ میں مقیم ہیں۔اکثر جلسہ سالانہ کینیڈا کے موقع پر ٹورانٹو تشریف لاتے ہیں۔ہمارے ہاں بھی آئے تھے اور اپنے شاگردوں سے ملاقات کی تھی۔ان کے چھوٹے بھائی سلیمان ہمارے کلاس فیلو تھے۔آج کل جرمنی میں ہیں۔اُن کے بھتیجے احمد یہ صحافت سے وابستہ ہیں اور ہر ماہ جرمنی سے ایک خوبصورت رسالہ نکالتے ہیں۔

عربی کی صرف و نحو تو بدقسمتی سے ہم بھول چکے ہیں البتہ قرآن کریم اور حدیث کا ترجمہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔کلیلہ ودمنہ تو بالکل بھول گئی ہے۔ہاں زرقاء الیمامہ ابھی تک یاد ہے۔سنا ہے بہت خوبصورت عورت تھی۔وہ بہت دور تک دیکھ لیتی تھی۔جنگوں میں لوگ اس سے کام لیتے تھے۔وہ کوہ ہمالیہ کے پیچھے بھی دیکھ لیتی تھی۔نجانے ان کا شوہر ان کی نظر سے کیسے بچتا ہوگا۔

آگے چل کر ہم نے ایم اے میں عربی مرحوم پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب سے پڑھی۔آپ بہت ہی محتاط صوفی تھے کتاب کی سطر کہیں ادھر ادھر نہ ہو جائے۔کتاب کی سطر پر دوھرا تہرا کاغذ رکھ کر پڑھایا کرتے تھے۔عربی میں بہت طاق تھے۔ہمارے محلہ دار تھے۔مسجد میں حدیث کا درس بھی دیتے تھے۔مرحوم صوفی صاحب نے اپنے بزرگ والد کی بہت خدمت کی۔ہمارے پڑوس میں رہا کرتے تھے۔بہت محنتی، مخلص، نیک اور صالح استاد تھے۔نماز فجر کے بعد ہم بھی سیر کے قافلہ میں ان کے ساتھ شریک ہو جاتے۔دوران سیر ایسے لطائف سناتے کہ ساری محفل زعفران بنا دیتے۔اس قافلہ میں خالد احمدیت مولانا ابوالعطاء جالندھری صاحب، مولوی محمد دین صاحب، مولانا عطاء المجیب راشد صاحب، مسعود احمد خاں دہلوی صاحب، سیٹھ محمد اعظم وغیرہ ہوتے تھے۔

ان کے علاوہ پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب بھی ہمارے پرنسپل صاحب کے خاص معتمدین میں سے تھے۔ چوہدری صاحب ایک لمبا عرصہ تک فضل عمر ہاسٹل کے نگران اعلیٰ رہے۔ اور باسکٹ بال کے روح رواں تھے۔ پاکستان باسکٹ بال ٹیم میں ٹی آئی کالج کی ٹیم نے اپنا خاص نام پیدا کیا۔ ربوہ میں آل پاکستان باسکٹ بال ٹورنامنٹ ہوتے رہے۔ ان کا سہرا چوہدری صاحب کے سر ہے ۔آپ کا تخلص مضطر عارفی ہے اور اپنے تخلص سے اسم با مسمی ہیں۔ ان کی خوشی اور غم میں سیمابی کیفیت پائی جاتی ہے۔ طبیعت میں انتہائی گداز پایا جاتا ہے۔ بہت اعلیٰ پائے کے شاعر ہیں۔ ان کا مجموعہ کلام '' اشکوں کے چراغ'' لاجواب ہے۔ جتنے تبصرے چوہدری صاحب کے کلام پر آج تک لکھے گئے ہیں کسی دوسرے احمدی شاعر کے کلام پر نہیں لکھے گئے۔ آپ اپنے عہد کے 'ناصر کاظمی' ہیں۔ انگریزی ترجمے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ فلسفہ ان کا انتہائی محبوب مضمون ہے۔ عام طور پر اسی میں کھوئے رہتے ہیں۔ بلا مبالغہ ایک نہایت ہی ہمدرد، خیر خواہ اور بہت ہی پیار کرنے والے استاد ہیں۔ دراصل یہ بزرگ پروفیسر تعلیم الاسلام کالج کے بانی مبانی اساتذہ میں سے تھے۔

بی اے کرنے کے بعد ہم نے ابا کے اصرار پر ایم اے عربی میں داخلہ لے لیا۔ وہ کہتے تھے کہ عربی اہل جنت کی زبان ہے قرآن، حدیث اور اسلام کا سارا علم عربی میں ہے۔ ہم نے ایم اے عربی میں غالباً ایک سال تک پڑھا ہوگا۔ اس وقت کلاس میں ایک دو چھوٹی عمر کے طالب علم تھے باقی سب بڑی عمر کے سینئر مولانا تھے۔ کافی سنجیدہ اور بڑی عمر کی خواتین عربی پڑھا کرتی تھیں۔ کلاس روم میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک بڑا سا سیاہ پردہ لٹکا ہوتا تھا۔ اور بابا شادی نے اسے اتنی مضبوطی سے باندھا ہوا تھا کہ تیز ہوائیں اور جھکڑ بھی چلیں تو گرتا نہیں تھا۔ شاید وہ بھی غض بصر سے کام لیتا تھا۔ بہر کیف ایم اے عربی کلاس میں خالصتاً اسلامی ماحول پایا جاتا تھا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس خشک ماحول کے باجود پھر بھی امن و سلامتی کی ٹھنڈی ہوائیں چلتی تھیں۔ ہم نے 1967ء کی تعطیلات میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کراچی کا رخ کر لیا۔

ہمارے زمانہ میں کالج کے Physical Education کے انسٹرکٹر محمد احمد انور حیدر آبادی تھے۔ کھیل کود اور بعض دیگر امور کا خیال رکھتے تھے۔ انہوں نے ایم اے اسلامیات بھی کر لیا تھا۔ ان کی گائیکی بہت اچھی تھی۔ جلسہ سالانہ اور دیگر مواقع پر نظمیں پڑھا کرتے تھے۔ نائیجیریا میں تدریس سے وابستہ رہے۔ آج کل جرمنی میں ہیں۔ طلباء میں اچھے مقبول تھے نفیس طبیعت پائی ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔

کالج کے دفتر کے انتظامی امور کی دیکھ بھال عبدالرحمن جنید ہاشمی کرتے تھے۔ آپ جماعت احمدیہ کے مشہور شاعر اور دیرینہ صحابی حضرت قاضی محمد ظہور الدین اکمل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ جنید صاحب کے دیگر رفقاء میں قریشی عبداللہ صاحب، محمد احمد اسلم بھی تھے۔ مگر جنید صاحب خود بہت علم دوست اور باغ و بہار آدمی تھے۔ طلباء کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔ پان خوب کھاتے تھے بلکہ یوں کہئیے کہ کھاتے کم اور جگالی زیادہ کرتے تھے۔ ہمیں المنار کے لئے ادبی مضامین دیا کرتے تھے۔

ہمارے محلہ کے ڈاکٹر محمد احمد کے یار غار تھے۔ شام کو سیر کرتے ہوئے صدر انجمن کے کواٹروں سے ڈاکٹر صاحب موصوف کے پاس غلہ منڈی روزانہ آتے اور خوب مجلس لگاتے۔ ہمارے بزرگ دوست تھے۔ طبعاً آزاد خیال تھے۔ وہ بھی کہا کرتے تھے۔

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

آخر میں ہم سب کے محسن حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ پر نسپل کا ذکر کس طرح کیا جائے۔ آپ کی صفات و کمالات کو بیان کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے بلکہ وہ بھی بہت کم ہے۔ آپ کے بارہ میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں لکھ سکتا کہ ہر طالب علم یہ سمجھتا تھا کہ میاں صاحب سب سے زیادہ اس سے محبت کرتے ہیں اور اسی کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔ من جملہ دیگر صفات و کمالات کے طلباء کے سچے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔ غریب طلباء کی عزت نفس کا بہت خیال فرماتے۔ اور ہمیشہ ہر طالب علم کے مستقبل کا خیال دامن گیر رہتا۔

ہم نے 1952ء سے لے کر 1967ء تک احمدی اساتذہ کرام سے ربوہ میں پڑھا ہے۔ اور ہم نے دیدہ دانستہ اپنے اساتذہ کرام کے تکیہ کلام کو نظر انداز کیا ہے تاکہ بے ادبی تصور نہ ہو۔ ان میں اکثر و بیشتر اساتذہ کے ہمارے ابا کے ساتھ ذاتی مراسم تھے۔ بلکہ ہر استاد کا ہر طالب علم سے ذاتی تعلق تھا۔ تمام اساتذہ کرام نیک، صالح، دعا گو، محبت و شفقت، شرافت و نفاست کا نادر نمونہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے شاگردوں کو غیر معمولی فضلوں سے نوازا ہے اور دنیا کے ہر ملک میں کامیاب اور وفادار شہری کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور احمدیت کے سفیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام اساتذہ کرام کو جزائے جزیل دے اور ان کے اموال و نفوس میں برکت ڈالے اور ان کے فیضان کو ان کے شاگردوں میں ہمیشہ جاری و ساری رکھے۔ آمین۔

☆☆☆

خط ناظر صاحب تعلیم بنام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظارت تعلیم
صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ

نمبر: 517
تاریخ: 29.11.2011

سیدی! ایدکم اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وسلامتی والی لمبی عمر دے اور ہر آن آپکی تائید ونصرت فرمائے۔ آمین

سیدی! عرض خدمت ہے کہ تعلیم الاسلام کالج اولڈ ایسوسی ایشن آف جرمنی کی طرف سے مدامداد طلبہ میں مبلغ -/1,50,000 روپے بذریعہ مکرم حمید احمد چوہدری صاحب آف جرمنی بطور عطیہ موصول ہو چکے ہیں۔

مکرم حمید احمد چوہدری صاحب نے ان سب احباب کیلئے خاص طور پر دعا کی درخواست کی ہے جنہوں نے یہ رقم عطیہ کی ہے۔

یہ دوران سال انکی دوسری قسط ہے اور آنے والے سالوں میں وہ مزید بڑھانے کا اعادہ کرتے ہیں۔

رقم خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں جمع کروا کر انہیں رسید بذریعہ ای میل ارسال کر دی گئی ہے۔

دعا کی خاص درخواست کرتا ہوں

والسلام

خاکسار
حضور پرنور کا ادنیٰ خادم
[illegible]
22/11/11

Nazarat Taleem, Sadr Anjuman Ahmadiyya, Rabwah, Pakistan.
Phone: 047-6212473 E-mail: ntaleem@gmail.com Web: www.nazarattaleem.org

”مہلت تمام شُد“

بے تاب روز و شب ہیں، لطافت تمام شُد
یعنی خیالِ یار کی لذّت تمام شُد

اربابِ حل و عقد کو کچھ سُوجھتا نہیں
سیل ہوس میں دانش و حکمت تمام شُد

بے درد حکمران تو بے فیض آئمہ
یہ سب اگر رہے تو ریاست تمام شُد

اقدار کا لحاظ، نہ کوئی اصول ہے
حق بات یہ کہ دورِ امانت تمام شُد

اِن رہبروں سے خیر کی امید ہے عبث
منزل کو خود ہی ڈھونڈ، قیادت تمام شُد

ہر روز اب تو گویا یومِ حساب ہے
دفتر کُھلیں گے سارے رعایت تمام شُد

ہر آن اک عذاب تو ہر لحظہ اک عتاب
مد ہوش خود پرستی کی مہلت تمام شُد

اک عمر ذہن و دل پر رشتوں کا تھا خمار
آنکھیں کُھلیں تو دیکھا محبت تمام شُد

ہر صبح چُرایا ہم کو نئی منزلوں کا شوق
ہر شام تھک کے سوچا مسافت تمام شُد

پِھر سر بکف چلے ہیں سوئے دار نعرہ زن
ضبطِ فغاں کی لمبی ریاضت تمام شُد

ہو شہرِ دلفگار میں اک رقصِ بے خودی!
اُس دِلربا کی یاد میں خلوت تمام شُد

کیفِ امیدِ وصل سے سرشار ہے بدن
دشتِ غمِ فراق کی وحشت تمام شُد

پھر پڑھ رہے ہیں یوسفؔ آئینِ عشق ہم
شیخِ حرم کے فتوے کی حاجت تمام شُد

(راجہ محمد یوسف خان)

☆☆☆

پروفیسر صوفی بشارت الرحمان مرحوم

(صوفی صاحب مرحوم کی رحلت پر لکھی گئی مکرم محترم طاہر عارف کی یہ نظم برادرم مکرم محمد دائود طاہر کی زیر تصنیف کتاب سے لی گئی)

سراسر پیکرِ صدق و وفا تھا
مثالِ عجز فخرِ صوفیا تھا

سُبک رفتار پہنچے آسماں تک
جہاں پہنچے وہ پہلے سے کھڑا تھا

تھا زاہد خود بھی اور واعظ بھی لیکن
وہ عاشق بھی بلا کا تھا، سدا تھا

بڑا ہے نام فرزانوں میں اس کا
وہ دیوانہ مگر اچھا بھلا تھا

سمندر علم و دانش ، اِتّقا کا
قد آور اور بھی ہیں وہ سوا تھا

وہ روشن ہے دلوں میں اب بھی طاہر
ستارہ جو کہ اگلے دن گرا تھا

☆☆☆

سکالر شپ فنڈ کے معاونین خاص

آپ کی تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹو ڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی کی طرف سے پاکستان کے مستحق طلباء کی امداد کے لئے پیش کرنے والے وظائف کی تحریک میں جن بھائیوں نے بطور معاونین خاص ایک طالب علم کا سالانہ مکمل خرچ (یا بعض نے اس سے بھی زائد) ادا کر دیا ہے یا ادا کرنے کا وعدہ کیا ہے ان کے اسماء گرامی دعا کے لئے پیش ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی قربانی قبول فرمائے۔

۱۔مکرم محترم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب
۲۔مکرم محترم چوہدری دائود احمد چیمہ صاحب
۳۔مکرم محترم میاں اعجاز احمد صاحب
۴۔مکرم محترم چوہدری دائود احمد کا ہلوں صاحب
۵۔مکرم محترم اکرام اللہ را نجھا صاحب
۶۔مکرم محترم شرافت اللہ خا ن صاحب
۷۔مکرم محترم شیخ منصور احمد صاحب
۸۔مکرم محترم سعید احمد نازصاحب
۹۔مکرم محترم عبد الحنان ڈوگر صاحب
۱۰۔مکرم محترم عبد الشکور بھٹی صاحب
۱۱۔مکرم محترم چوہدری انیس احمد صاحب
۱۲۔مکرم محترم ڈاکٹر تعیم احمد طاہر صاحب
۱۳۔مکرم محترم منور احمد با جوہ صاحب
۱۴۔مکرم محترم حمید احمد خا لد صاحب
۱۵۔مکرم محترم حبیب اللہ طارق صاحب
۱۶۔خاکسار پروفیسر حمید احمد چوہدری

نوٹ۔یہ فہر ست المنار میں شا ئع کی جانے کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت بھی پیش کی جائے گی۔اگر کسی دوست کا نام سہو سے رہ گیا ہے یا کوئی دوست اپنا نام شامل کرنا چا ہیں تو خاکسا ر کو بذریعہ ای میل یا فون اطلاع دیں۔شکریہ

10.04.2012

(پروفیسر) حمید احمد چو ہدری
Tel: 069-547995
chaudhry1937@hotmail.com

چند یادگاری تصاویر

احباب جماعت احمدیہ جو جرمنی کے پہلے جلسہ سالانہ میں شامل ہوئے

In the name of Allah, the Gracious, the Merciful
Im Namen Allahs, des Gnädigen, des Barmherzigen.

T.I. College Old Students Association Germany

English and German Section

April 2012

Director: **Prof. Hamid Ahmad Chaudhry**
President T.I. College Old Students Association (Regd.) Germany

Editor: **Choudhry Anis Ahmad**
Secretary T.I. College Old Students Association, Germany

Design: **Muhammad Zaheer Ahmad** (Software Engineer)

Contents

Nr.	Title	Page
1	Die Institution des Khalifat (The Institution of Khilafat – German)	1
2	Narrow Escape – an inspiring personal experience of a T.I. College student during the martial law of 1953. - Bashir Ahmad Khan Rafiq (ex Imam of London Mosque)	3
3	Aktuelle Nachrichten aus der Welt der Wissenschaft - Dr. Umair Ahmad Bajwa	6

Die Institution des Khalifat

Der Heilige Prophet Muhammad saw hatte der Menschheit das vollkommene Gesetz gebracht, den Heiligen Koran, in dem die Natur des Menschen und seine Psyche erläutert und die Wege, Frieden zu finden, dargelegt werden.
Er selbst war von Gott zum Vorbild für alle Gottessucher und als Beispiel für ein aufrichtiges und wahrhaftiges Leben ernannt worden. Nun stellte sich unter seinen Gefährtinnen und Gefährten zu Recht die Frage, was nach seinem Tod sein würde. Wie könnten die Menschen, zumal die Muslime, geleitet werden ohne das gegenwärtige praktische Vorbild des Heiligen Prophetensaw?

Allah teilte dem Heiligen Prophetensaw hinsichtlich dieser Problematik mit, dass es nach seinem Tode ein Khalifat geben werde, womit gemeint ist, dass „ Stellvertreter “ (Khalifen) aus den Reihen der Muslime gewählt würden, die den Gläubigen die notwendige Leitung wären. Anschließend gäbe es eine Zeit, in der weltliche Herrscher sich mit dem Amt den Khalifen schmücken werden, um dieses Amt für ihre Zwecke zu missbrauchen.
Indes würde Allah durch das Entsenden von Reformern (Mujaddids) dafür sorgen, dass jene Menschen, die die Wahrheit und ein reines und spirituelles Leben anstreben, rechtgeleitet werden und sich nicht zu sehr in weltlichen Dingen verfangen.

Schließlich aber, so teilte Allah dem Heiligen Prophetensaw mit, wird der Glaube einen solchen Niedergang erleiden, dass die Religionsgelehrten „ die schlimmsten Geschöpfe unter dem Himmelszelt “ sein werden. Erst dann würde Jesusas, der Sohn der Maria, wiederkommen. Er wäre gleichzeitig der Imam Mahdi, der die Muslime – nach einer langen Zeit der Dunkelheit – erneut zu wahren Lehre des Islam führen würde.

Diese Prophezeiung ist durch das Erscheinen von Hadhrat Mirza Ghulam Ahmadas Wirklichkeit geworden, der die Prophezeiungen über die Wiederkunft Jesu und das Auftreten des Imam Mahdi erfüllt hat. Nun ist mit diesem angekündigten Erscheinen und dem Fortschritt des Islam, den der Mahdi und Verheißene Messiasaseinleiten würde, die Geschichte des Islam aber nicht vollendet.

Wiederum lautete die Frage, was nach dem Tode des Verheißenen Messias und Imam Mahdias geschehen würde. Gott hat auch dazu etwas offenbart. Er teilte dem Heiligen Propheten Muhammadsaw mit, dass nach dem Tode des Verheißenen Messiasas erneut ein Khalifat entstünde, das diesmal bis zum Tag des Jüngsten Gericht andauern werde. Als der Gründer Hadhrat Mirza Ghulam Ahmadas im Jahre 1908 verstarb, wählte die Gemeinde der islamischen Regel entsprechend einem Khalifa zum Nachfolger.

Khalifat der Ahmadiyya Muslim Jamaat
Dementsprechend wird die Ahmadiyya Muslim Jamaat von den gewählten Nachfolgern des Gemeindegründers geleitet – den Khalifen. Dabei wird bei der Ahmadiyya das Amt des Khalifen nicht etwa vererbt, sondern gewählt. Zudem lehnt die Ahmadiyya Muslim Jamaat eine Verquickung von Politik und Religion vehement ab, so dass das Khalifat der Ahmadiyya Muslim Jamaat rein spiritueller Natur ist und zum Frieden in der Welt auffordert.
Zum ersten Nachfolger des Verheißenen Messiasas wurde Hadhrat Alhaj Hakim

Nuur-du-Dinra als erster Khalifa der Ahmadiyya Muslim Jamaat gewählt. Er begründete somit die Institution des rechtgeleiteten Khalifats von Neuem.

Die Geschichte der Ahmadiyya Muslim Jamaat, insbesondere ihrer Khalifen, ist voller unzähliger Beispiele, wie Gott durch das Khalifat die Gemeinde überaus segnet und sie vor Gefahren schützt.
Dabei war und ist die Einheit und die Geschlossenheit der Ahmadiyya Muslim Jamaat unter ihrem jeweiligen Oberhaupt, den Khalifa, einmalig. Seit nunmehr über einem Jahrhundert ist die Ahmadiyya Muslim Jamaat unter den Muslimen der Welt die einzige Gemeinde, die ein lebendiges Khalifat besitzt.

Narrow Escape

B. A. Rafiq
barafiq@hotmail.co.uk

In 1953 I was a fourth year undergraduate student at T.I. College Lahore. From the outset of the year the anti Ahmadiyya Mullahs (Clerics) had started a movement in Punjab to force the Government to declare Ahmadis as a non-Muslim Minority in Pakistan, in addition they wanted the Foreign Minister Sir Zafrullah Khan to be removed from office and all other Ahmadis be removed from senior positions in the government and military. Majlis Ahrar was at the forefront of this movement. They had some firebrand orators who were trying to whip up frenzy and stir the emotions of the general Muslim population against us. Unfortunately the Punjab Government headed by its Chief minister Mian Mumtaz Daulatana was quite openly in league with them, and was also secretly funding them. They were given a free hand by the ruling party and all logistical facilities were provided to them, to stage Jalsas (Meetings) and take out processions against the Jamaat. A large amount of funds were disbursed amongst newspapers in Lahore urging them to give full backing and publicity to the Ahrar movement in its hate campaign against the Jamaat.

These were very difficult times for the Jamaat. The Mullahs were inciting people to boycott Ahmadi businesses and destroy their properties. Some Ahmadis were martyred in the early days of the movement, but despite this, the Government did not take any action to intervene and safeguard Ahmadis. Many shops and businesses belonging to Ahmadis were burnt and looted.

As T.I. College was a prominent Ahmadiyya establishment the Ahrar targeted its premises and tried to set it on fire on a number of occasions. Every day processions were taken out, and some would encircle the College. They would shout anti Ahmadiyya slogans and would try to provoke the students to come out and fight. Many a time they pelted the College with stones and rocks from outside.

Our Principal, Hazrat Mirza Nasir Ahmad issued instructions that the College premises should be defended with full force if anyone tried to force entry but there should be no scuffle outside the College. Full restraint should be observed and there should be no response to their slogans.

As time passed events spiraled out of the hands of the government and with widespread rioting everywhere it was clear the government was beginning to lose control of the situation. The Punjab government became helpless and unable to enforce law and order. On the instructions of the Federal government the help of the military was sought. General Azam Khan a tough no nonsense general took over. He immediately started to arrest and round up the ringleaders, and in addition imposed a strict curfew across Lahore. The curfew was strictly enforced. Only in the afternoon was there a two hour

lifting of the curfew to allow people to attend to their needs and carry out their daily essential tasks.

One day at the height of the disturbances an Army Colonel came to our College and demanded that an office should be assigned to his military detachment inside the College premises. These instructions were received by me as I was on duty at the gate at the time of the Colonel's visit. I promised him that I would consult the Principal of the college, and would let him know of his reply. The Colonel told me to report to him at his office established at the Government College that was nearby and quite close to our own college. I rushed to the Principal's (Hazrat Mirza Nasir Ahmad) residence and apprised him of the situation. He asked me to convey to the Colonel that the he had no objection and that the Colonel may occupy any office he wanted. I came back and went over to the premises of the Government College nearby.

Upon arrival I was met by a soldier on duty. He instructed me to follow him to the Colonel's office. He asked me to sit outside the office and wait for the Colonel to call me. The Colonel was busy in a conference with other military staff. The time passed by and it was getting closer to the onset of the evening curfew. I was beginning to get concerned, but there was nothing I could do. I waited and waited and became tense and anxious, as the curfew was about to start, which would mean that no civilian could be allowed out on the streets.

The conference finally came to an end and the Colonel called me in. There were a few other officers sitting around with him. I passed on to him the message of our Principal and whilst I was still talking to him the siren for the start of Curfew was sounded.

After hearing the message the Colonel dismissed me and told me to leave. I came out of his office and started towards the main gate where there was a soldier on duty. He stopped me and told me that if I stepped out of the college premises I would be arrested. He told me to go back and request the Colonel to issue you a Pass. I promptly made my way back and knocked at the Colonel's door. I was called in by the Colonel. He was chatting and having tea with the other officers, and was not pleased to be disturbed. I requested him to issue me a Pass so that I could go back to my hostel. The Colonel looked at his subordinate and sought his opinion. The subordinate nonchalantly said there was no need to issue a pass. Instead he suggested that I should be locked up for the night in one of the College room's where rioters, miscreants and lawbreakers were being held and could be released the next day in the afternoon when the curfew would be lifted.

On hearing this I became extremely apprehensive and agitated. I had seen the room where the prisoners were being kept in the College whilst coming to the Colonel's office. It was a small windowless, confined room with no access to facilities. Most of the inmates were extremists of the Majlis-e-Ahrar and our mortal enemies. If I was locked in with them there was a certain chance that there would attack me. Another thought that crossed my mind was that there was no guarantee that the Colonel would be on duty the next day. Because of the chaotic nature of martial law I might be locked in for, God knows, how long!

After the Colonel issued his instructions to lock me up, the other officers nodded in agreement with him. The soldier on duty ushered me outside to take me to the room that was going to be my cell, for at least the next 24 hours or more.

Whilst walking with the soldier I implored him to help me. I told him that my hostel was only at a stone's throw from Government College. If he let me go I could be at my hostel within five minutes. He was sympathetic, but said that he was only a soldier and although he had full sympathy with me, he was unable to help.

It was in these adverse circumstances that I reverted to Allah and prayed vehemently. I said:

"*My Lord, you know that I suffer from claustrophobia. You also know that the detainees were our mortal enemies and they would certainly attack me. I beg you to please listen to my prayers and save me from this torment*."

Thankfully Allah heard my prayers and the soldier began to show some leniency towards me. He told me to go back to the Colonel and request him to provide you a military escort as my hostel was only next-door and a very short distance.

I went back to the Colonel's office and knocked at his door. The Colonel called me in and I requested him to show leniency and let me go back to my college under escort. He looked at me for some time, and pondered over his decision. Eventually he called the soldier in, and instructed him to escort me to my College.

Upon leaving the office I heaved a sigh of relief and my heart was overwhelmed with emotions of thanks to Allah, the Almighty. On my way back to my College I also thanked the soldier for his help. It turned out that he too was a Pashtun like me, and had wanted to help me all along, but as he was only following orders, he had been unable to do so. He kindly escorted me all the way to my room at the hostel.

Had it not been for Allah's intervention I would have been placed under great stress and faced an unknown predicament. As it was, purely through Allah's love and mercy I had been spared the ordeal of confinement, and I thanked Allah profusely for listening to my heartfelt prayers. (Ameen)

Aktuelle Nachrichten aus der Welt der Wissenschaft

Dr. Umair Ahmad Bajwa

Gezielte Baby-Blicke

Säuglinge können mit den Augen absichtliche Handlungen ausführen

Die Augenbewegungen sechs Monate alter Säuglinge haben Forschern Einsicht in die frühkindliche Entwicklung erlaubt: Der Verstand der Kleinen kann ihren Blick bereits in diesem Alter logisch steuern, so dass sie an einem Bildschirm virtuelle Knöpfe betätigen können. Das Gehirn von Babys sei damit früher weiter entwickelt, als bisher angenommen, sagt der Wissenschaftler Jochen Triesch von der Goethe-Universität in Frankfurt. Das Eye-Tracking ermöglicht den Forschern somit, logische Handlungen von Säuglingen noch vor der Entwicklung von Feinmotorik und Sprache zu untersuchen. „Damit kann die kindliche Entwicklung früher als bisher untersucht werden", erklärt Triesch. Er erhofft sich davon nun neue Perspektiven für weitere Studien zur Gehirnentwicklung: „Unter anderem wollen wir wissen, ob sich diese Methode auch für noch jüngere Säuglinge eignet", sagt der Kognitionsforscher. (Februar 2012)

Zwei Laster auf einen Streich

Medikament zur Raucherentwöhnung bremst auch die Lust auf Alkohol

Der Wirkstoff Vareniclin, der das Verlangen nach Zigaretten verringert, hat offenbar einen willkommenen Nebeneffekt: Er reduziert den Alkoholkonsum. Das haben US-Forscher um Emma Childs von der University of Chicago nun durch Versuche mit Freiwilligen belegt. Das Mittel, das in Europa unter dem Medikamentennamen Champix erhältlich ist, erzeugt den Ergebnissen zufolge bei Alkoholkonsum unangenehme Empfindungen, die den Genusseffekt zunichtemachen. In weiteren Untersuchungen wollen die Forscher nun herausfinden, welche Wirkungen auf das Nervensystem hinter dem Effekt von Vareniclin bei Alkoholkonsum stecken.

Malaria fordert doppelt so viele Todesopfer wie gedacht

Forscher vermuten, dass jährlich etwa 1,2 Mio. Menschen an dem Wechselfieber sterben

Erschreckendes Ergebnis: Laut einem amerikanisch-australischen Forscherteam starben im Jahr 2010 fast doppelt so viele Menschen an Malaria wie bislang angenommen. Vor allem die Sterberate unter Erwachsenen sei unterschätzt worden, so die Forscher um Christopher Murray. Der weltweite Malaria-Report der Weltgesundheitsorganisation WHO geht von rund 650.000 Menschen aus, die jedes Jahr an Malaria sterben. Wissenschaftler um Christopher Murray von der University of Washington in Seattle ziehen nun einen anderen Schluss aus ihren eigenen Untersuchungen: 2010 starben vermutlich fast doppelt so viele Menschen an dem Wechselfieber.

Neue Hoffnungsträger gegen Malaria: Sauerstoff und Licht

Forscher entwickelt neues einfaches Verfahren zur künstlichen Herstellung des Wirkstoffs Artemisinin

In China wird der Pflanzenstoff Artemisinin bereits seit 2.000 Jahren gegen Malaria angewendet. Auch die moderne Medizin nutzt den Wirkstoff seit vielen Jahren. Doch die Herstellung des Arzneimittels ist teuer. Jetzt haben deutsche Wissenschaftler vom Max-Planck-Instituts für Kolloid- und Grenzflächenforschung in Potsdam und von der Freien Universität Berlin einen Apparat entwickelt, mit dem Artemisinin schnell und kostengünstig hergestellt werden kann, so dass Medikamente gegen das Wechselfieber auch in ärmeren Regionen der Erde erschwinglich werden.

Astronomie: Ferne Welten im Visier

Forscher entdecken potenziell lebensfreundlichen Planeten in einem System mit drei Sonnen

Astronomen um Guillem Anglada-Escudé von der Carnegie-Institution in Washington haben einen Planeten mit dem Namen GJ667Cc aufgespürt, der Leben beherbergen könnte und sich in einer exotischen Konstellation befindet: Er umkreist einen sogenannten Roten Zwerg, der wiederum zu einem System aus drei Sternen gehört. Dieses Dreifach-System ist den Forschern zufolge arm an schweren Elementen, deshalb hielten Astronomen bisher die Existenz von Gesteinsplaneten dort für eher unwahrscheinlich. Die jetzige Entdeckung widerspricht nun dieser Annahme und legt den Schluss nahe, dass erdähnliche Planeten im Universum noch deutlich häufiger vorkommen könnten als bisher angenommen.

Spiegelbild des Lebens

Im Licht des Mondes stecken Informationen über das Leben auf der Erde

Die Erde ist ein belebter Planet! – Diese Erkenntnis wäre denkbar unspektakulär, hätten internationale Forscher sie nicht mit einer faszinierenden Methode gewonnen: Sie konnten Beweise für das irdische Leben in dem Licht identifizieren, das die sonnenbeschienene Erdoberfläche auf den Mond reflektiert und das dann wiederum als aschfahler Schimmer auf die Erde zurückstrahlt. Das Grundprinzip dieser Nachweismethode könnte helfen, Leben auf fernen Planeten zu entdecken, sagen die Astronomen.

Die Untersuchungen des Teams um Michael Sterzik vom European Southern Observatory (ESO) hat das sogenannte Very Large Telescope (VLT) möglich gemacht, das vom chilenischen Berg Cerro Paranal aus ins Universum blickt. Es ist in der Lage, das schwache Reflexionslicht der Erde auf der Mondoberfläche zu erfassen. Genau darin suchten die Astronomen nun mithilfe der Brechungseigenschaften nach den Fingerabdrücken organischen Lebens, etwa nach Anzeichen von relativen Häufigkeiten von Gasen in der Erdatmosphäre, aber auch von Pflanzenbewuchs. Das Team setzte dazu neuartige Verfahren ein, mit denen nicht nur die Intensität verschiedener Wellenlängen, sondern auch die Polarisation des Lichts analysiert werden kann. Diese Methode wird als Spektropolarimetrie bezeichnet.

Auf diese Weise hoffen die Astronomen, eines Tages Leben auf einem fernen Planeten identifizieren zu können, das unseren irdischen Pflanzen entspricht. Die Voraussetzungen für den Erfolg dieser Suche verbessern sich derzeit: Die nächste Generation von Teleskopen, darunter das European Extremely Large Telescope (E-ELT), könnten vielleicht die bedeutende Frage klären, ob die Erde der einzig belebte Ort im Universum ist.

Geschlechtsspezifische Erinnerungen

Frauen erinnern sich eher an positive Erlebnisse, Männer eher an negative

Hauptsache positiv – nach diesem Motto scheint das weibliche Erinnerungsvermögen zu arbeiten. Denn laut einer Studie eines kanadischen Forscherteams der der McGill University in Montréal erinnern sich Frauen besser an Positives. Männer dagegen speichern vor allem intensive Erlebnisse ab – und das besonders gut, wenn es sich um negative Erfahrungen handelt.

Wie Alkohol abhängig macht

Endorphine benebeln das Gehirn

Vermutung bestätigt: Nach dem Konsum von Alkohol schüttet das Gehirn Endorphine aus – Hormone, die glücklich machen. Bei Alkoholikern führt Alkohol zudem gleichzeitig zu einem starken Gefühl der Trunkenheit; ihr Gehirn hat offenbar gelernt, das Glücksgefühl mit den ethanolhaltigen Getränken zu verbinden. Wissenschaftler von der University of California in San Francisco konnten diesen Prozess nun erstmals direkt im menschlichen Gehirn nachweisen. „30 Jahre lang haben wir darüber spekuliert, wie Alkohol auf das menschliche Gehirn wirkt, aber wir konnten es nicht belegen – bis jetzt“, freut sich Jennifer Mitchell, eine der beteiligten Wissenschaftlerinnen, über die Ergebnisse.

Prägende Gespräche

Einfühlungsvermögen lernen Kinder von ihren Müttern

Psychologen der University of Western Australien in Perth konnten belegen, dass Kinder besser Gedanken, Absichten und Gefühle anderer Menschen erkennen können, wenn ihre Mütter mit ihnen oft und detailliert über die Gefühle und Gedanken anderen Menschen sprechen. Die Forscher betonen die enorme Bedeutung dieser empathischen Fähigkeiten: Menschen fällt es damit einfacher bei einem Konflikt die Argumente des Gegenübers zu verstehen und den Streit zu beheben. Dem kommt in unserer heutigen Gesellschaft eine Schlüsselrolle zu, meint

Studienleiter Brad Farrant: „Um die Probleme der globalisierten Welt zu lösen, müssen wir alle besser darin werden, uns in die Perspektive anderer Menschen zu versetzen."

21.02.2012 - Biologie

Aus Dornröschenschlaf erweckt

Forscher bringen Eiszeit-Pflanze zum Blühen

Einfrieren und in einem neuen Zeitalter wieder zum Leben erwecken – diese Science Fiction-Vision ist russischen Biophysikern um Svetlana Yashina von der Russian Academy of Sciences in Pushchino zumindest mit einer fossilen Pflanze gelungen: Aus gefrorenen Überresten, die über 31.000 Jahre im Permafrostboden Sibiriens lagerten, regenerierten sie im Labor vollständige Pflanzen. Die regenerierten Nelkengewächse waren in der Lage zu blühen und Samen zu bilden.

Permafrostböden bedecken gut 20 Prozent der Landfläche der Erde und bergen einen gewaltigen biologischen Schatz: Die Eismassen, die teilweise mehrere 100 Meter dick sind, enthalten Mikroorganismen und höhere Lebewesen aus vergangenen Jahrtausenden. In den so konservierten biologischen Proben lesen Wissenschaftler heute die Geschichte früherer Erdzeitalter. Einen besonderen Dienst hat der Wissenschaft vor gut 31.000 offenbar ein arktisches Erdhörnchen erwiesen: Mitten im Permafrostboden Sibiriens vergrub es einen Vorrat an Samen und Früchten, von dem es nie Gebrauch machte. Im Labor ist es russischen Biophysikern nun gelungen, aus drei dieser fossilen Früchte des Leimkrauts Silene stenophylla vollständige Pflanzen zu regenerieren.

Die Methode ist nicht neu. Bei Pflanzen – anders als bei Menschen und Tieren – besitzt fast jede Zelle die Fähigkeit, sich in jeden anderen Zelltyp zu differenzieren. Füttert man eine einzelne Pflanzenzelle mit dem richtigen Hormoncocktail, ist es relativ einfach, daraus eine ganze Pflanze entstehen zu lassen. Pflanzen aus Zellen wachsen zu lassen, die 31.800 Jahre eingefroren waren, ist allerdings ein bisher einzigartiger Erfolg.

Quelle: Mazazine Bild der Wissenschaft, nature